بیت المقدس
ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا مسئلہ
دوستانِ اقصیٰ
حامد کمال الدین

"بیت المقدس کے محلہ المغاربہ میں مسجد اقصیٰ کے عین بالمقابل یہودی اپنے نام نہاد ہیکل کا سنگ بنیاد رکھ رہے ہیں۔ جس سے عیاں ہے یہ تعمیری منصوبہ مسجد اقصیٰ کو منہدم کروائے بغیر پایۂ تکمیل کو نہ پہنچیگا۔ جہاں تک ہم اہالیانِ فلسطین کا تعلق ہے تو ہم تو خدا کے اس گھر کو چھوڑ کر کہیں جانے والے نہیں۔ امت اسلام سے ہماری اپیل ہے کہ وہ ہر سطح پر، اور ہر ہر جگہ قومی حیثیت میں، مسجد اقصائے مبارک کو بچانے کیلئے اٹھ کھڑی ہو اور اس کے لئے سب ممکنہ وسائل کو بروئے کار لائے۔"

(حماس کا بیان، امت اسلام کے نام)

'نیل تا فرات اسرائیل' کا یہودی خواب چکنا چور ہو چکا۔ صیہونی اسی غصب شدہ اراضی کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کیلئے اب آخری درجے کے جتن کر رہے ہیں۔ خطے کی سب عرب مملکتوں کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ اسرائیل اب انکے بارے میں کوئی توسیع پسندانہ عزائم نہیں رکھتا۔ یہ عرب ملک بھی 'موقعہ' کو غنیمت جانتے ہوئے دھڑا دھڑ 'امن معاہدے' اور 'تعلقات معمول پر لانے' میں لگے ہیں۔ یہی معاملہ اسرائیل عالم اسلام کے کچھ دیگر اہم اہم ممالک کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ 'دوستی' کا یہ ہاتھ پاکستان کی جانب بھی بڑھا ہوا ہے۔ ایمان فروشی کا پورا ایک جال نئے سرے سے نصب ہونے جا رہا ہے۔ بہت سی این جی اوز، بہت سے صحافتی گروپ، بہت سے ریٹائرڈ اور برسر ملازمت ڈپلومیٹ اور بیوروکریٹ، بہت سے بے روزگار دانشور، نئے نئے کھلنے والے پرائیویٹ ٹی وی چینل، کرائے کے لکھاری.. مل جل کر ایک ایسی فضا بنانے جا رہے ہیں کہ امت کے ہاں پائی جانے والی سب طے شدہ باتیں ایک ایک کر کے 'فرسودہ'، 'غیر ضروری'، 'تجارتی خسارہ' اور 'غیر ترقیاتی' ثابت کر دی جائیں۔ امت کے بہت سے مفادات کے جہاں دھڑا دھڑ سودے ہو رہے ہیں وہاں کسی بھی دن ہو سکتا ہے بیت المقدس کا سودا، یعنی اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بحث بھی سامنے آ جائے! امت کے مقدسات بیچ کر خوشحالی لانے کے دجالی مژدے یہاں سر عام نشر ہوں! ملت کے مفادات کو یہودی مہاجن اور ہندو بنئے کی تکڑی میں ڈال دینے کے مالی فوائد پر 'علمی' تجزیوں اور مذاکروں کا ڈول تو ڈالا ہی جا چکا ہے۔ آنے والے دن اپنی کوکھ میں شاید ایسا بہت کچھ لے کر آ رہے ہیں۔

اس موقعہ پر ضروری جانا گیا کہ یہ تحریر سامنے لائی جائے۔ ضروری نہیں یہی کتابچہ، مگر یہ 'صدا' عام ہونا اشد ضروری ہے۔ مسلمانوں کے تیسرے مقدس ترین مقام کیلئے دہائی دینا، جسے یہودی ریاست کا پایہ تخت بنایا جا رہا ہے.. مکہ اور مدینہ کے بعد مسلمانوں کے سب سے مقدس شہر کو پائمال ہونے سے بچانا اور عمر بن الخطابؓ اور صلاح الدینؒ کی اس امانت کو فرزندانِ توحید کے سجدوں کیلئے بچا رکھنا.. اس صدا کو گونج بنا دینے میں حصہ لینا آپ کی توجہ اور آپ کے وقت پر کہاں تک حق رکھتا ہے، اس کا فیصلہ آپ پر ہے۔

دوستانِ اقصیٰ

بكل عزم في الطلب و رجاء في الإستجابة، نهيب بإخواننا المسلمين أن يسارعوا لنجدة شعبنا الصابر و المرابط في أكناف بيت المقدس، فإن نجدتهم حق واجب و نصرتهم فرض لازم لجميع المسلمين، فإن لم يغتنم المسلمون اليوم الفرصة فسيندمون على فواتهم إلى أمد الله أعلم به، و إن تغيب الأمة و إشغالها عن ذلك باللهو و اللعب يبلغ درجة الإجرام في حقها و حق قضاياها

پرزور تاکید، اور اس قوی امید کے ساتھ کہ ہماری صدا کی شنوائی ہوگی..

ہم اپنے مسلم بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری اِس مسلم قوم کی مدد کیلیئے اٹھ کھڑے ہوں جو کہ آج بیت المقدس کے ہر طرف ثابت قدم اور مورچہ زن ہے۔

بے شک ان کی مدد کو پہنچنا واجب ہے۔ ان کی نصرت فرض ہے اور تمام مسلمانوں پر لازم۔

مسلمانوں نے آج اس موقعہ کو اگر غنیمت نہ جانا تو اس کو گنوا دینے پر انہیں مدتوں پچھتانا پڑ سکتا ہے، کہ جس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

آج بیت المقدس میں جو ہو رہا ہے، امت کو اس سے بے خبر اور تفریح و تماشا میں ہی محور رہنے دینا امت اور امت کے مسائل کے حق میں مجرم بن جانے کے مترادف ہوگا۔

سفر الحوالی
www.alhawali.com

سفر الحوالي

مقدمہ

مسجد اقصیٰ
ہر مسلمان کا مسئلہ

یہ کوئی سیاسی مسئلہ ہے اور نہ قومی، سراسر ایمان اور حق سے وفاداری کا مسئلہ ہے......

کوئی جنوبی ایشیا میں ہے یا شمالی یورپ میں، بحرِ چین کے مشرق میں بستا ہے یا اوقیانوس کے غرب میں.. سورج کی شعاعوں کی راہ میں زمین کی حدیں آتی ہوں، ''ایمان'' کی راہ میں کونسی حدیں......!؟

''مسجدِ اقصیٰ'' لا الٰہ الا اللہ کہنے والے کرۂ ارض کے ہر شخص کا مسئلہ ہے، خواہ اس کا کوئی رنگ ہے اور کوئی لسان.. کوئی صوبہ، کوئی ضلع اور کوئی قصبہ!

ایمان والوں کے لئے یہ ایک مسجد ہے اور مسجد بھی ایک شان والی مسجد!!! کوئی کیا جانے ''مسجد'' کیا چیز ہے......!!!

مسجد تو کوئی ہو، مسلمان کے لئے کرۂ ارض پر اس سے مقدس کوئی گوشہ نہیں۔ ''سجدہ گاہ'' سے بڑھ کر زمین کے پاس مومن کو دینے کے لئے کچھ نہیں۔ 'زمین' کی کچھ وقعت اس کے دل میں ہے تو وہ اسی دم سے۔ **أمرت أن أسجد علیٰ سبعة أعظم**.☆

☆ أمرت أن أسجد علیٰ سبعة أعظم: علی الجبهة وأشار بیده علیٰ أنفه، والیدین، والركبتین، وأطراف القدمین (متفق علیہ) ''مجھے حکم ہوا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں: پیشانی، اور آپؐ نے ہاتھ کے ساتھ ناک کی طرف اشارہ کیا، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، اور دونوں پنجے''

مومن کے سات اعضاء زمین پر اکٹھے دھرے جائیں تو خدائے رب العالمین کو ایک سجدہ شمار ہوتا ہے۔ وہ فرش جس پر ایسی بہت سی پیشانیاں مل کر ایک ساتھ جھکیں اور ایک تکبیر کی آواز پر راست تا چاپ سجدہ ریز ہوں اور عرش کے مالک کو عین اس ادب سے پوجنے، دن میں پانچ بار، با جماعت حاضر ہوں...... وہ فرش ''مسجد'' کہلاتا ہے!

مسجد تو کوئی ہو، مسلمان کی جان ہے۔ پھر اس مسجد کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں ہزاروں انبیاء کی پیشانیاں سرورِ دو عالمؐ کی تکبیر کی آواز پر ایک ساتھ جھکی ہوں، اور جہاں نماز کرانے کو 'امامؐ' لانے کے لئے جبریلؑ کو براق دے کر مکہ روانہ کیا گیا ہو!

مسجد تو کوئی ہو، مسلمان کی جان ہے۔ پھر ایسی مسجد جس کے کھونٹے سے انبیاء کی سواریاں بندھتی رہی ہوں، اور جہاں سب امتوں کے امام (سب انبیاءؑ)، سید البشرؐ کے مقتدی بن کر خالقِ انسانیت کی تعظیم کی ایک تقریبِ بے مثال منعقد کر چکے ہوں...... ایسی مسجد ایک مسلمان کے لئے جان سے بھی بڑھ کر کیوں نہ ہو؟!

مسجد اور وہ بھی مسجدِ اقصیٰ، کہ جس کی جانب امام الانبیاءؐ کے سفرِ شب کے تذکرے ہم قرآن میں با قاعدہ تلاوت کرتے ہیں...... اس مسجد سے بڑھ کر مسلم امت کو کیا چیز عزیز ہو سکتی ہے؟!

ہزاروں انبیاء کی میراث کہ جس پر ایک یادگار رات، خاتم المرسلینؐ کی مہرِ امامت رہتی دنیا تک کے لئے ثبت کرا دی جاتی ہے.. آسمانی امتوں کی میراث جسے وصول کرنے کو خلیفۂ دوئم مدینہ سے رختِ سفر باندھ کر نفس نفیس بیت المقدس پہنچتے ہیں، نبیوں اور امتوں کی یہ مقدس میراث...... آج اپنے اپنے 'ملکوں' اور 'صوبوں' اور 'پانیوں' کے شور میں مسلم امت کو بھول جائے اور دنیا کی سب سے چھوٹی اور سب سے ذلیل قوم اٹھ کر، کرۂ ارض پر شرق تا غرب پھیلی اس امتِ بے مثال کو یہ سبق دینے لگے، کہ مغضوب علیہم کے حق میں یہ اپنی اس میراث سے ہمیشہ کیلئے دستبردار ہو جائے!؟

جس قوم پر خدا کی بار بار پھٹکار برسی، اور جس پر انبیاء لعنت کرتے گئے، اور فساد فی الارض کے سوا رہتی دنیا تک کیلئے جس کا یہاں اب کوئی کردار باقی نہیں، اس قوم کو یہ امت اپنی ایک "مسجد" دے دے، اور مسجد بھی کونسی مسجد؟ مسجدِ اقصائے مبارک!!!؟؟

سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ (الإسراء:1)

"پاک ہے وہ ذات جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک، کہ جس کا گردا گرد ہم نے بابرکت کر رکھا ہے، تاکہ اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائے، بیشک وہ سننے والا ہے (اور) دیکھنے والا"

صدیوں سے، ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُواْ إِلاَّ بِحَبْلٍ مِّنْ اللّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآؤُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُواْ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّهِ وَيَقْتُلُونَ الأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُواْ يَعْتَدُونَ ☆ کا مصداق بنی رہنے والی ایک جرائم پیشہ قوم کو امتِ اسلام اپنی یہ سجدہ گاہ بھی دے دے اور ساتھ میں پورا وہ ملک بھی دے دے جو اس مسجد میں صفیں باندھ کر خدائے واحد کی تعظیم اور کبریائی کرتا ہے! اقوامِ متحدہ کے دفتر میں اس سودے کی رجسٹری کرا کر آئے اور اپنے کچھ بدخصلت نمائندوں کو اس کے لئے اپنا وکیل کرے! اس سودے سے انکار کا نام 'امن دشمنی' ہے اور 'دہشت گردی' اور 'انسانیت کا چین ختم کر دینے' ایسا گھناؤنا فعل، جو 'مہذب قوموں' کے ہاں آج ایک گالی کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کو گالی جاننا ہی آج 'مہذب' ہونے کی ایک بنیادی شرط! کیونکہ 'تہذیب' کی رجسٹری بھی اسی اقوام متحدہ کے دفتر میں جا کر ہوتی ہے!

☆ (آل عمران:۱۱۲) "ذلت ان پر دے ماری گئی جہاں بھی یہ پائے جائیں، بجز اس کے کہ کچھ اللہ کا سہارا اور کچھ لوگوں کا، اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہیں اور مسکنت ان پر مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اُس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے، یہ اس لئے کہ یہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے"۔

'امن' اور 'تہذیب' کی تعریف اب انبیاء نہیں کریں گے بلکہ تاریخ انسانی کا وہ بدقماش ٹولہ کرے گا جو نبیوں اور کلمۂ حق کہنے والے صدیقوں کا خون کرتا رہا......!

دنیا کے مفہومات کو سرتا پیر الٹنا تھا، سو یہ واقعہ ہو چکا۔ دیکھنا یہ ہے اپنی اس دنیا کیلئے اصطلاحات کون آج انبیاء سے لیتا ہے اور کون اس موضوع پر ان مُفسِدِینَ فِی الارض کے فلک میں گردش کرتا ہے جو ہمیشہ سے یہاں کلمہ گویانِ حق کے خون کے پیاسے پائے گئے اور جنہیں آج جا کر 'امن' اور 'تہذیب' کی من مانی تعریف کرنے اور 'عالمی برادری' کی قیادت فرمانے کا اندھا حق مل چکا ہے؟!

دنیا کے سب پڑھے لکھے سفیہ آج انہی کے پیروکار ہیں، اور انہی کیلئے تالیاں پیٹنے پر مامور۔ بخدا آنے والے دن ایمان کا معرکہ لے کر آ رہے ہیں اور نہایت کمال معرکہ......انبیاء کا دم بھرنے والے ابھی نہ جانے جائیں تو کب جانے جائیں گے؟!

پس آج کتنے ہی 'غیر مہذب'، عالم اسلام کے اندر اپنے گھروں اور مسجدوں سے دستبردار نہ ہونے کی ضد کر کے 'امنِ عالم کیلئے خطرہ' دیکھے جا رہے ہیں، صرف 'اُن کی' نظر میں نہیں ہمارے اپنے 'مسلم' میڈیا میں؟!......خود ہمارے فرزندوں کو 'امنِ عالم' کی آج یہی تعریفیں رٹائی جا رہی ہیں!

آنکھیں نہیں دراصل دل اوندھے ہو جاتے ہیں......

کون کس کے گھر میں گھسا؟ کس نے کس کی سجدہ گاہ چھینی؟ کون اپنے گھر اور اپنی سجدہ گاہ میں گھس آنے والے جارحیت پسندوں کو روکنے کا 'جرم وار' ہوا ہے؟ ذرا ایک نظر دیکھ تو لو، کون اپنے گھر کے اندر ہے اور اپنے گھر اور اپنی مسجد کی دیواریں تھام کر کھڑا ہے اور کون اپنے گھر سے باہر ہے اور ''دوسرے'' کے گھر میں کہرام برپا کئے ہوئے ہے اور ''اس'' کی مسجد گرانے کے درپے ہے؟ یہ سب سوال غیر متعلقہ ہیں، 'امن' اور 'تہذیب' کی تعریف وہی جو خدا اور نبیوں سے جنگ روا رکھنے والی اس چرب زبان سے صادر ہو جائے جو میڈیا کے اندر بولتی ہے اور جو انسانیت کے جملہ مسائلِ علم و حکمت پر آج واحد حجت تسلیم کی جاتی ہے!

'علم وبصیرت' کا مرجع ہمارے پڑھے لکھوں کے ہاں 'یہود' نہ ہوگئے ہوتے تو بیت المقدس کے ہمارے ہاتھ سے جانے ایسا واقعہ رونما ہی کیونکر ہوتا!

اس کے بعد پھر اس منطق کو لے کر چلنے والے ہمارے 'راہ نما' ہوئے کہ جو ملت، ''بیت المقدس'' کے سوال پر اپنے ازلی دشمن کے حق میں اس قدر فیاض ہوسکتی ہے وہ بھلا کشمیر، افغانستان، عراق، چیچنیا، بوسنیا، کوسووا اور صومالیہ وغیرہ کے معاملہ میں اس قدر بخیل کیونکر واقع ہوسکتی ہے!؟

آج یہ ہمارے راہنما اور ہمارے دانشور ہیں جو گھر آئے دشمن کی ضیافتوں میں لگے ہیں، وہ دشمن جو اپنی ضیافت کیلئے ہماری قوم کے بڑوں سے ایسی بے تکلفانہ فرمائشیں تک پوری کرانے کا عادی ہوگیا ہے کہ یہ اُس کو اپنے اِن نوجوانوں کے سر تھالی میں رکھ کر پیش کریں جو آباء کی میراث پر آج بھی غیرت کھاتے ہیں اور ملت کے نام پر داغ لگے تو اس پر موت کو ترجیح دیتے ہیں!

وہ بھی یہود ہی کا ایک قومی راہنما تھا جس نے اپنی ملت کے سب سے بڑے محسن اور خیر خواہ یحییٰ علیہ السلام کا سر تھالی میں رکھ کر وقت کی ایک فاحشہ کو اپنے 'حسن نیت' کے ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا، کہ کوئی یہ نہ کہے یہ شخص اخلاص اور وفا میں سچا نہیں! وائے بربادی.. 'اخلاص'، مگر کس کے لئے اور بھلا کس کے سر کی قیمت پر؟؟؟!

ایسی راندۂ درگاہ قوم جب زمانے کی استاد مانی جانے لگے تو پھر انتظار کرتے رہیے؛ اس جہان میں وہ کچھ نظر آئے گا جو کبھی سننے میں آیا ہو اور نہ دیکھنے میں۔ تب حیا اور قدروں کا جنازہ پوری دھوم سے نکلے گا اور تعجب ہوگا تو یہ کہ انسانیت ساری کی ساری اسے کندھا دینے کیوں نہیں نکلتی! تب قومیں اپنے جگر گوشوں کو دشمن کی سلامتی پر ہزار طریقوں سے قربان کیا کریں گی، اپنے گبھروؤں کے ہاتھ میں بندوق اور زبان پر آبرو کا لفظ سن کر نوحہ، اور اپنے مقدسات کا سودا کر آنے والوں کو سلامی اور تعظیم کے تمغوں کا اہل جانیں گی!

کوئی قدر دان ہوتا تو آج ان نوجوانوں کے پیر دھو دھو پیتا۔ اُن ماؤں کو سلام کرتا جو امت کو آج بھی ایسے بچے جن کر دیتی ہیں، کہ جو ایمان اور توحید کی شمعیں روشن کرنے کے لئے اس قحط الرجال کے وقت اپنا خون پیش کریں!!! پورا جہان ان کے مقابلے پر ہے۔ ’ٹیکنالوجی‘ کا زور لگ گیا ہے۔ دنیا کا کوئی سہارا ان ’پہاڑوں کی چٹانوں پر‘ نشیمن ڈال رکھنے والے نہتوں کے حق میں باقی نہیں رہا مگر یہ اللہ کا سہارا لے کر پھر کھڑے ہیں!!! پوری دنیا ہل جانے کو ہے مگر یہ ہلنے کا نام نہیں لیتے!!! چند ناتواں بازو ہی تو ہیں کہ جنکے دم سے پوری امت آج بھی فخر سے سر اونچا رکھ سکتی ہے!

......مگر اِن کو ’قدردانوں‘ کی کیا طلب!؟ ان کی قدر ہو تو عرش پر!!!

☆☆☆☆☆

حضرات! بعید نہیں مسجد اقصیٰ کی یہ صدا جو ہم اس کتابچہ میں سنیں گے......یہی صدا، شعائر اسلام میں سے ایک ایک شعار کے تحفظ اور ملت کے کھوئے ہوئے ایک ایک چپے کو واگزار کرانے کی صدا بن جائے۔ بعید نہیں مسجد اقصیٰ کا مقدمہ، صیہونی صلیبی پنجے میں کراہتی اس دنیا کے ہر منصفانہ مسئلہ کا پیش لفظ بن جائے۔ اپنی اس امت کا جسد تو آج کہاں کہاں سے نہیں چیرا جا رہا!؟

اپنے ان مذہبی دانشوروں سے معذرت کے ساتھ، جو ’مسجد‘ کو ’نمازیوں‘ سے الگ کر کے دیکھنے کا نہایت باریک نکتہ پیش کرتے ہیں.. اور جو مسجد کی فضیلت بیان کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھتے مگر ان کے ہاں ’عبادت گزاری‘ یہ ہے کہ مسجد کھلی مل جائے تو نماز بے شک گھر میں جائز نہیں، ہاں اس مسجد کو کافر چھین لے یا وہ اس کی بے حرمتی پر اتر آئے تو خدا کی پرستش کیلئے خدا کی باقی زمین بہت وسیع ہے! اور جن کو اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ (متفق علیہ) کے اندر ’عبادت گزاری‘ کے معانی تلاش کرنا بہت انہونا لگتا ہے......!

اقصیٰ اور بیت المقدس.. مسجد اور اس کے نمازی.. ہر دو کی آزادی کے لئے جہاد واجب ہے۔ فلسطین کا ایک ایک چپہ جہاں پر یہود کا غاصبانہ قبضہ ہے.. ایشیا تا

افریقہ تا یورپ، سرزمین اسلام کا ایک ایک بالشت جہاں کفار کا مجرمانہ تسلط ہے.. واگزار کرایا جانا وقت کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ نہ یہ امت مری ہے اور نہ اس کے وہ علماء جو آج بھی اس کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں اور جو کہ امت کے لئے جہاد کا فتویٰ صادر کرنے کا شرعی حق رکھیں۔ خدا کے فضل سے جہاد کے جو متعدد محاذ آج کھلے ہیں، اور جن میں سرزمینِ اقصیٰ کا محاذ سرفہرست ہے...... جہاد کے ان محاذوں کی مشروعیت پر شرق تا غرب علمائے اسلام یک آواز ہیں۔ وہ سب منحنی آوازیں جو یہاں اور وہاں سے، امت سے الگ تھلگ سُروں کے اندر آج سننے میں آ رہی ہیں، اور جن کا کوئی رشتہ امت کے تاریخی ورثے سے ہے اور نہ امت کے زخموں سے، یہ سب آوازیں نہ وقت کی ضرورت ہیں اور نہ امت کے پاس ان کو سننے کیلئے کوئی وقت۔ اس امت کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ، بر طریقِ سلف کافی ہے، جس کے نمائندہ، اور جس کی رو سے اس امت کو فتوائے جہاد دینے کے اہل، اس امت کے وہ مستند علماء ہیں جو اپنے علم اور فہم کا سلسلۂ نسب، بلا انقطاع، سلف کے ساتھ جوڑ کر آ سکتے ہیں۔

زیر نظر کتابچہ سمجھئے مسجد اقصیٰ کا مقدمہ ہے۔ مسجد اقصیٰ کا یہ مقدمہ آج کے اس گلوبل ویلج کے ہر مسلمان کا مقدمہ ہے، بلکہ دنیا کے ہر انصاف پسند کا مقدمہ ہے۔ اقصیٰ کا یہ مقدمہ ہر مسلم مسئلے اور ہر مسلم سرزمین کا پیش حرف ہے۔ اس کتابچہ کی تیاری اور تقسیم عام سے، یہی بات ہمارے پیش نظر ہے۔

اقصیٰ کے حق میں اپنی صدا بلند کر کے آپ بھی آج اپنا حصہ ڈالئے۔ آنے والے سالوں میں کرۂ ارض پر اہل ایمان کی ایسی صفیں کھڑی ہونے والی ہیں، ان شاء اللہ، جو تاریخ میں ذکر ہوں۔ اس 'اذان' کے لئے مسجد اقصیٰ کے زخمی میناروں سے بہتر کونسی جگہ ہو سکتی ہے!

حامد کمال الدین

مسجدِ اقصیٰ
کی بابت جاننے کی کئی ایک باتیں

مسجدِ اقصیٰ کرۂ ارض پر مسلمانوں کا تیسرا مقدس ترین مقام ہے۔ یہ جس تاریخی شہر میں واقع ہے اس کو احادیث کے اندر اور اسلامی تاریخ میں 'بیت المقدس' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے، جبکہ بائبل کی تاریخ میں یہ شہر 'یروشلم' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

مسجدِ اقصیٰ، قدیمی شہر کے جنوب مشرقی طرف، ایک نہایت وسیع رقبے پر مشتمل احاطہ ہے۔ اس احاطے کے گرد ایک مستطیل شکل کی پرشکوہ فصیل پائی جاتی ہے۔ مسجد کے احاطہ کی وسعت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس کا رقبہ 144 دونم (ایک دونم = 1000 میٹر مربع) ہے۔ اس احاطہ میں گنبدِ صخرہ پایا جاتا ہے۔ مسجد اقصیٰ پائی جاتی ہے، جس کو الجامع القِبْلی یعنی ''قبلہ والی مسجد'' یا ''قبلہ طرف والی مسجد'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد تاریخی آثار ونشانات ہیں جن کی کل تعداد دوصد تک پہنچتی ہے۔

مسجد اقصی کا یہ پورا احاطہ، شہر کے جس حصہ میں واقع ہے وہ ایک ٹیلہ نما جگہ ہے۔ اس ٹیلہ کا تاریخی نام 'موریا' ہے۔ صخرہ مشرفہ (وہ چٹان جہاں اسراء ومعراج کی رات رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک لگے تھے)، اس پورے احاطہ کی سب سے بلند جگہ ہے اور مسجد اقصی کے اس احاطہ میں قلب کی حیثیت رکھتی ہے۔

مسجد کی پیمائشیں یوں ہیں: جنوب کی طرف 281 میٹر، شمال کی طرف 310 میٹر، مشرق کی طرف 462 میٹر، اور مغرب کی جانب 491 میٹر۔

مسجد کا یہ احاطہ قدیمی شہر کا چھٹا حصہ بنتا ہے۔ مسجد اقصی کی بابت خاص بات یہ ہے کہ اس مسجد کی حدود آج بھی وہی ہیں جہاں جائے نماز کے طور پر پہلے دن اس کی تعمیر ہوئی تھی۔ یعنی جس طرح مسجد حرام (مکہ مکرمہ) اور مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کی توسیع بار بار ہوتی رہی اور اس باعث ان دونوں مسجدوں کی حدود متعدد بار تبدیل ہوئیں، مسجد اقصی کی حدود میں آج تک تبدیلی نہیں آئی۔

احاطۂ اقصیٰ کے چودہ دروازے ہیں۔ صلاح الدین ایوبیؒ نے جس وقت یہ مسجد آزاد کرائی، اس کے بعد بعض وجوہات کے پیش نظر مسجد کے کچھ پھاٹک بند کر دیے گئے۔ یہ پھاٹک جو بند کر دیے گئے، کہا جاتا ہے ان کی تعداد چار ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد پانچ بنتی ہے، جو کہ یہ ہیں: مشرقی جانب باب الرحمة اور جنوب کی طرف باب المُنفَرِد، باب المُزْدَوِج اور باب الثُّلاثي۔ البتہ وہ دروازے جو اس وقت تک برقرار ہیں، دس ہیں اور ان کی تفصیل اس طرح ہے: باب المَغَارِبَة، اس کو باب النبی بھی بولتے ہیں۔ باب السلسلة، اس کو باب داود بھی بولتے ہیں۔ باب المُتَوَضَّأ، جس کو باب الْمَطْهَرَة بھی بولتے ہیں۔ باب القطانين۔ باب الحديد۔ باب الناظر۔ باب الغوانمة، جس کو باب الخليل بھی بولتے ہیں۔ یہ سب کے سب دروازے مغربی سمت ہیں۔ جبکہ باب العتم، جسے باب شرف الانبياء بھی بولتے ہیں، باب حطة اور باب الأسباط شمالی سمت میں ہیں۔

مسجد اقصیٰ کے چار مینار ہیں: باب المغاربہ والا مینار، جو کہ جنوب مغربی جانب ہے۔ باب السلسلہ والا مینار جو کہ مغربی سمت باب السلسلہ کے قریب واقع ہے۔ باب الغوانمہ والا مینار جو کہ شمال مغربی سمت اور باب الأسباط والا مینار جو کہ شمالی سمت واقع ہے۔

مسجد اقصیٰ کا نام:

'مسجدِ اقصیٰ' اس مقدس مقام کا وہ نام ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محکم کلام میں اس مقامِ ذی شان کو موسوم فرمایا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْر　(بنی اسرائیل:1)

"پاک ہے وہ ذات جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک، کہ جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائے، بیشک وہ سننے والا ہے (اور) دیکھنے والا"

اقصیٰ کا مطلب ہے بعید تر۔ مراد یہ کہ اسلام کے تین مقدس ترین مقامات میں سے یہ مقام باقی دو کی نسبت بعید تر ہے، کیونکہ مکہ و مدینہ سے فاصلے پر واقع ہے۔ 'اقصیٰ' کے لفظ کی یہی تفسیر راجح تر ہے۔

اس مقام کا یہ نام یعنی 'اقصیٰ' نزولِ قرآن کے بعد ہی مشہور ہوا ہے۔ قرآن کے اسے یہ نام دینے سے پہلے اس کو مقدس یا بیت المقدس کہا جاتا تھا۔ 'بیت المقدس' کا لفظ احادیث نبوی کے اندر وارد ہوا ہے۔ مثلاً مسند احمد کی حدیث جو واقعۂ اسراء کی بابت مذکور ہوئی:

عن أنس بن مالك، أن رسول الله ﷺ قال:

أُتِيتُ بالبراق، وهو دابة أبيض فوق الحمار ودون البغل يضع حافره عند منتهىٰ طرفه، فركبته فسار بى حتىٰ أتيت بيت المقدس، فربطت الدابة بالحلقة التى يربط فيها الأنبياء، ثم دخلت فصليت فيه ركعتين، ثم خرجت فجاءنى جبريل عليه السلام بإناء من خمر وإناء ممن لبن فاخترت اللبن، قال جبريل: أصبت الفطرة، ثم عرج بنا إلى السماء الدنيا فاستفتح جبريل.." الحديث

روایت انس بن مالکؓ سے، کہا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

"میرے پاس براق لایا گیا، جو کہ ایک سفید دراز جانور ہے، گدھے سے بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا۔ وہ اپنا سم اپنے حدنگاہ کے پاس جا کر دھرتا ہے۔ تو میں اس پر سوار ہوا، وہ مجھے لے کر چلا، یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچا۔ میں نے اس جانور کو (وہاں) ایک کڑے کے ساتھ باندھا، جس کے ساتھ انبیاء (اپنی سواری کو) باندھا کرتے تھے۔ پھر میں وہاں داخل ہوا اور اس کے اندر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر میں نکلا۔ تب جبریلؑ میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن

میں دودھ لایا۔ تو میں نے دودھ لے لیا۔ جبریل نے کہا: آپؐ نے فطرت کو اختیار کرلیا۔ پھر مجھے آسمانِ دنیا کی جانب چڑھایا گیا، تو جبریل نے (آسمان کا دروازہ) کھولنے کی استدعا کی ......" (صحیح مسلم)

بیت المقدس کا یہ علاقہ اُس زمانہ میں ایلیاء کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ یہ سب کے سب نام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسلمان، مسجد اقصیٰ کو نہایت مقدس اور بابرکت مقام جانتے ہیں۔ قدیم سے مسجد اقصیٰ کے متعدد نام چلے آتے ہیں، مگر کوئی شک نہیں کہ یہ مقام ہمیشہ سے خدائے واحد کی بندگی کے لئے مختص رہا۔ مسلمان جو کہ آج خدائے واحد کی بندگی کا دم بھرتے ہیں اور خدا کے سب کے سب انبیاء و مرسلین پر ایمان ان کے اعتقاد کا حصہ ہے، اور ان میں وہ سب انبیاء بھی آتے ہیں جن کو مسجد اقصیٰ کے ساتھ مجاورت کی خاص نسبت رہی، مثلاً ابراہیمؑ، داودؑ، سلیمانؑ اور عیسیٰؑ وغیرہ...... مسلمان ان انبیاء میں ہرگز کسی تفریق کے قائل نہیں، لہٰذا آج یہ مسلمان ہی اس پاکیزہ و مقدس مقام پر اصل حق رکھنے والے ہیں۔

یہاں ایک غلط العام کی تصحیح کرتے چلیں۔ بعض لوگ غلطی سے مسجد اقصیٰ کیلئے 'حرم' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس مسجد کیلئے حرم کا لفظ البتہ ہمارے شرعی مصادر سے ثابت نہیں۔ شرعی طور 'حرم' کے وہ احکامات جو مکہ اور مدینہ ہر دو حرم پر لاگو ہوتے ہیں، یہاں پر لاگو نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسلام میں 'حرمین' دو ہی ہیں، مکہ اور مدینہ۔ تیسرا کوئی حرم نہیں۔

مسجد اقصیٰ کا احاطہ:

مسجد اقصیٰ کے احاطہ کا رقبہ 144 دونم (144000 میٹر مربع) بنتا ہے۔ جو کہ شہر کی پرانی فصیل کے اندر آنے والے کل رقبہ کا چھٹا حصہ بنتا ہے۔ اس کے سب اضلاع ایک برابر نہیں۔ غربی ضلع 491 میٹر، مشرقی 462 میٹر، شمالی 310 میٹر اور جنوبی 281 میٹر۔

جو بھی مسجد اقصی کے احاطہ میں داخل ہوجانے کی سعادت پالے، وہ اس کے اندر جہاں بھی نماز پڑھے، خواہ اس احاطہ کے کسی درخت کے نیچے، یا اس کے اندر تعمیر

شدہ متعدد گنبدوں میں سے کسی بھی گنبد تلے، یا اس کی کسی بارہ دری میں، یا گنبدِ صخرہ کے اندر، یا جامع قِبلی کے عین بیچ جا کر، ثواب کا سینکڑوں گنا بڑھ جانا اس کے حق میں بہرحال ثابت ہو جاتا ہے۔

عن أبی ذرؓ، قال: تذاکرنا، ونحن عن رسول الله ﷺ، أيهما أفضل: أمسجد رسول الله أم بيت المقدس؟ فقال رسول الله ﷺ: صلاة فی مسجدی أفضل من أربع صلوات فيه، ولنعم المصلىٰ هو، وليوشكن أن يكون للرجل مثل شطن فرسه من الأرض، حيث يرىٰ منه بيت المقدس خير له من الدنيا جميعا. قال: أو قال خير من الدنيا وما فيها

(أخرجه الحاكم وصححه، ووافقه الذهبی والألبانی، السلسلة الصحيحة ج 6 ص 946)

روایت ابو ذرؓ سے، کہا: رسول اللہ ﷺ کے ہاں ہمارے مابین تذکرہ ہو گیا کہ کونسا مقام افضل تر ہے، آیا مسجد نبوی یا بیت المقدس؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز (بلحاظ اجر) اُس (بیت المقدس) میں چار نمازوں سے بڑھ کر ہے۔ اور کیا خوب ہے وہ جائے نماز۔ عنقریب وقت آئے گا کہ آدمی کے پاس گھوڑے کی رسی جتنی زمین ہونا کہ جس سے اس کی نظر بیت المقدس تک جا سکے، اس کے لئے پوری دنیا سے افضل ہوگا، کہا: یا پھر یہ لفظ کہے: یہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے افضل ہوگا''۔

مذکورہ بالا حدیث کے ضمن میں امام البانیؒ کی ایک وضاحت کا ذکر کر دیا جانا خالی از فائدہ نہ ہوگا: البانیؒ کہتے ہیں مسجد اقصیٰ میں نماز کی فضیلت کی بابت جو صحیح ترین حدیث پائی جاتی ہے وہ یہی ہے (ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث)۔ رہی وہ مشہور حدیث جس میں یہ آتا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو گنا ہے (ملاحظہ کیجئے ارواء الغلیل 1130، الترغیب والترہیب 757 پر البانی کی تخریج) تو وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ ابو ذرؓ کی اس صحیح حدیث کی رو سے جو اوپر بیان ہوئی، بیت المقدس کی

نماز اجر میں مسجد نبوی کی نماز کی ایک چوتھائی کو پہنچتی ہے، جو کہ بے شمار صحیح احادیث کی رو سے ایک ہزار نماز ہے۔ ایک ہزار کا چوتھائی ڈھائی سو بنتا ہے۔ لہٰذا درست تر بات یہ ہوئی کہ مسجد اقصیٰ میں نماز عام مسجد میں نماز پر ڈھائی سو گنا فضیلت رکھتی ہے۔

مسجد اقصیٰ وہ دوسری عبادت گاہ ہے جو کرۂ ارض پر تعمیر ہوئی:

عن أبي ذر الغفاري، قال: قلت: يا رسول الله، أي مسجد وضع في الأرض أول؟ قال: "المسجد الحرام". قال: قلت: ثم أي؟ قال: "المسجد الأقصى". قلت: كم كان بينهما؟ قال: "أربعون سنة، ثم أينما أدركتك الصلاة فصله، فإن الفضل فيه. (رواه البخاري)

روایت حضرت ابوذر غفاریؓ سے، کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کونسی سجدہ گاہ زمین میں پہلے بنی؟ فرمایا: مسجد الحرام۔ کہا: میں نے عرض کی: اس کے بعد کونسی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے عرض کی: ان دونوں کے مابین کتنا (وقفہ) رہا؟ فرمایا: چالیس سال، پھر جہاں تمہیں نماز کا وقت آ لے تو وہیں پر نماز پڑھ لو، کیونکہ فضیلت اسی میں ہے"۔

جس طرح مسجد الحرام کی بار بار تعمیر ہوتی رہی، مسجد اقصیٰ کی بھی متعدد بار تعمیر ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے لگ بھگ دو ہزار سال قبل مسیح اس جگہ کو آباد کیا تھا۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری انکے فرزندوں اسحاق اور پھر یعقوب علیہم السلام نے نبھائی۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے لگ بھگ ہزار سال قبل مسیح اس کی تجدیدِ تعمیر کی۔ سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں اس مسجد کی تعمیر کی بابت حدیث آتی ہے:

عن عبد الله بن عمرو عن النبي ﷺ قال: لما فرغ سليمان بن داود من بناء بيت المقدس سأل الله ثلاثا: حكما يصادف حكمه، وملكا لا ينبغي لأحد من بعده، وألا يأتي هذا المسجد أحد لا يريد إلا الصلاة فيه إلا خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه". فقال النبي ﷺ: أما اثنتان فقد أعطيهما، وأرجو أن يكون قد أعطي الثالثة (سنن ابن ماجة، والنسائي، وأحمد)

روایت عبداللہ بن عمرو سے، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب سلیمان بن داود علیہما السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالی سے تین باتوں کیلئے سوال گو ہوئے: یہ کہ آپؑ کو ایسا فیصلہ کرنا عطا ہو جو خدا کے فیصلے کے موافق ہو، یہ کہ ایسی بادشاہت عطا ہو جس کا آپؑ کے بعد کوئی سزاوار نہ ہو، اور یہ کہ جو شخص بھی اس مسجد میں آئے درحالیکہ نماز کے سوا اس کا کوئی مقصد نہ ہو، تو وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح ہلکا ہو جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا"۔ نبی ﷺ نے فرمایا: دو چیزیں سلیمان علیہ السلام کو عطا ہو گئیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ تیسری بھی آپؑ کو عطا ہو گئی"۔

اسلامی فتح کے بعد، جو کہ سن 15ھ بمطابق 636ء کو ہوئی، خلیفہ دوئم عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں جامع قِبْلی کی تعمیر کروائی، جو کہ مسجد اقصیٰ کا اصل بنیادی حصہ باور ہوتی ہے۔ دولت اموی کے عہد میں یہاں گنبدِ صخرہ کی تعمیر ہوئی، اور جامع قبلی (مسجد کا سب سے قدیم حصہ جو قبلہ کی جانب سب سے آگے ہے) کی تعمیر نو بھی ہوئی۔ اموی عہد میں یہ ایک بہت بڑا منصوبہ تھا جس کی تکمیل میں تیس سال کا عرصہ صرف ہوا، یعنی 66ھ بمطابق 685ء سے لے کر 96ھ بمطابق 715ء تک۔ تا آنکہ مسجد اقصیٰ کا یہ پورا احاطہ اپنی وہ شکل اختیار کر گیا جو کہ اس وقت تک موجود ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کا تقدس:

اہل اسلام کے ہاں مسجد اقصیٰ کا غیر معمولی تقدس، ابتدائے اسلام ہی سے لے کر ایک معروف حقیقت رہا ہے۔ اس مسئلہ کا مسلمانوں کے عقیدہ سے براہ راست تعلق ہے۔ ہمارے عقیدہ کی رو سے زمین کا یہ بقعہ ان بے شمار انبیاء کا قبلہ ہے جو محمد ﷺ سے پہلے رہے۔ خود محمد ﷺ کا پہلا قبلہ یہی ہے۔ خانۂ کعبہ سے پہلے آپؐ اسی طرف کو اپنا روئے مبارک کر کے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے تھے۔

پھر دین اسلام کا ایک خاص رشتہ اس بقعۂ ارض کے ساتھ اس رات وجود میں آیا جسے شب اسراء و معراج کہا جاتا ہے۔ وہ رات جب رسول اللہ ﷺ کو جبریلؑ کی معیت میں مسجد الحرام سے لا کر اس مقام کی ایک شبینہ زیارت کرائی گئی۔ یہاں اس مقام پر کھڑے ہو کر آپ کرۂ ارض پر مبعوث ہونے والے انبیاء کے امام ہوئے، اور سب نے اُس مبارک رات آپؐ کی اقتداء میں یہاں پر خدائے واحد کی عبادت کی۔ اس تقریب کے اختتام پر آپؐ کو آسمان کی بلندیوں کی جانب سفر کرایا گیا، یہاں تک کہ رب العالمین سے ہم کلامی ہوئی اور وہاں سے آپؐ نمازِ پنجگانہ کا تحفہ لے کر زمین پر لوٹے۔

خود قرآن نے اس واقعۂ عظیم کا ذکر کیا اور ایک پوری سورت اسی واقعہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس آیت کا ذکر پیچھے ابھی گزرا ہے۔ سورۂ اسراء کی اس آیت کے اندر اس بات کا خاص ذکر کیا گیا کہ "الذی بارکنا حوله" یعنی ہم نے اس کا اردگرد بابرکت کر دیا۔ اس آیت سے واضح ہے کہ اس کے اردگرد اللہ نے ایک خاص برکت رکھی ہے، تو پھر اس مسجد کی برکت کا کیا اندازہ!؟ "الذی بارکنا حوله" کے ان الفاظ سے ہی مسلمانوں کے ہاں اس مسجد کی قدر و منزلت متعین ہو جاتی ہے۔ پس اقصیٰ برکت کا ایک منبع ہے جو کہ اپنے چہار سمت کو بابرکت بناتی ہے۔

مسجد اقصیٰ دین اسلام میں، زمین کے اندر وہ تیسرا مقدس مقام ہے جس کی جانب رختِ سفر باندھنا بجائے خود عبادت ہے۔ مسجد اقصیٰ کا یہ مقام نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

لا تشد الرحال إلا إلیٰ ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجدی هذا، والمسجد الأقصیٰ

"کجاوے ہرگز نہ کسے جائیں مگر تین مساجد کی سمت ہی: مسجد الحرام، میری یہ مسجد اور مسجدِ اقصیٰ"۔

ایک حدیث میں جس کی سند میں گو کچھ کلام ہے، البتہ محدث ابن عدیؒ نے ایک گونہ اس کا استحسان کیا ہے، فتنوں کے زمانہ میں اس علاقہ کا رخ کرنے کی فضیلت آتی ہے۔ یہ ذوالاصابع جہنیؓ سے مروی ہے، کہا:

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہم آپؐ کے بعد زندہ رہنے کی ابتلا پائیں، تو آپ ہمیں کہاں کا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: ''بیت المقدس کو اختیار کرو، کہ شاید تمہاری وہاں کچھ ذریت پلتی رہے جن کا وہاں کی مجلسوں میں صبح شام کا آنا جانا ہوا کرے''

(ذخیر الحفاظ 3 / 1707 محدث ابن القیسرانی نے اس کی سند کو قابل قبول جانا ہے۔ محدث ابن رجبؒ نے عثمان بن عطاء خراسانی کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہے۔ رسائل ابن رجب 286/3 - ماخوذ از ''تیسیر الوصول إلی احادیث الرسول'')

غرض یہ آیات واحادیث، اور دیگر کثیر دلائل شریعت ثابت کرتے ہیں کہ اس خطۂ ارض کو اسلام اور امت اسلام کے ساتھ ایک خاص نسبت ہے اور ایک نہایت قوی رشتہ۔ یہاں کی زیارت کو عبادت جاننا اور یہاں پائی جانے والی برکت کو حق جاننا دین اسلام کے اندر صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ ہمارے اعتقاد کی رو سے یہ مسجد بھی بابرکت ہے اور وہ سرزمین جس میں یہ پائی جاتی ہے وہ بھی بابرکت ہے۔

مسجد اقصیٰ کے اہم اہم گوشے:

جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، مسجد اقصیٰ کا احاطہ متعدد عمارتوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ اس میں بہت سے تاریخی آثار ونشانات ہیں جن کی تعداد دوسو تک پہنچتی ہے، جن میں متعدد نماز گاہیں آتی ہیں، قبہ جات، بارہ دریاں، محرابیں، کئی ایک منبر اور چبوترے، مینار یعنی اذان گاہیں، کنویں وغیرہ پر مشتمل متعدد تاریخی آثار۔

اب ہم یہاں ان میں سے کچھ اہم اہم گوشوں کا تذکرہ کریں گے:

گنبد صخرہ:

گنبدِ صخرہ ایک نہایت خوبصورت ہشت کونہ عمارت ہے۔ اس عمارت پر ایک عظیم الشان سنہری گنبد پورے احاطہ میں سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ گنبد صخرہ کی عمارت اس پورے احاطہ میں قلب کی حیثیت رکھتی ہے۔ نقشہ کے لحاظ سے بھی یہ اس کے عین وسط میں تھوڑا سا بائیں جانب واقع ہے۔ گنبدِ صخرہ اسلامی معماری یادگاروں کے اندر نہایت قدیم اور نہایت مرکزی و عظیم آثار میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔

گنبدِ صخرہ یا "قبة الصخرة" کا یہ نام کیوں پڑا؟ صخرہ عربی کے اندر ایک بڑے پتھر یا چٹان کو کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ چٹان ہے جہاں سے، راجح تر قول کی رو سے، سید المرسلین ﷺ معراج کے سفر کیلئے آسمان کی جانب چڑھے تھے۔ کیونکہ اس پورے مقدس احاطہ میں یہ چٹان ہی سب سے بلند نقطہ ہے۔ بعد ازاں اس چٹان پر، جس کو صخرہ مشرفہ کہا جاتا ہے، ایک عظیم الشان گنبد نما عمارت بنا دی گئی۔ اب آج کل گنبدِ صخرہ کا یہ ہال مسجد اقصیٰ میں آنے والی عورتوں کے لئے نماز گاہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

'صخرہ' ہوا میں معلق چٹان نہیں، جیسا کہ کچھ سنی سنائی بے بنیاد باتوں کی وجہ سے عوام الناس میں مشہور ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ اس مضبوط چٹان کے نیچے کچھ جگہ کھوکھلی ہے، یوں یہ جگہ زیریں جانب سے ایک 'غار نما' نقشہ پیش کرتی ہے۔

جامع قِبْلی:

جامع قِبلی مسجد اقصیٰ کی جنوبی جانب کی عمارت ہے۔ مسجد کا یہ حصہ ہی پورے احاطہ میں قبلہ (مکہ) کی جانب سب سے پہلے آتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام جامع قِبلی پڑ گیا ہے۔ یہ ایک بڑی عمارت ہے۔ اس پر سرمئی رنگ کا ایک گنبد ہے۔ یہ جامع

قِبْلی ہی پورے احاطۂ مسجد کے اندر اصل نماز گاہ ہے۔ اسی کے اندر امام خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اور یہیں سے نمار کرائی جاتی ہے۔ یہی وہ اصل ہال ہے جس میں مرد پانچ وقتہ نماز ادا کرتے ہیں۔

یہ مسجد، یعنی جامع قِبْلی، عین اس جگہ تعمیر ہوئی ہے جہاں خلیفۂ دوئم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے سال (15ھ) نماز ادا کی تھی۔ اس کی تعمیر نو کے سلسلہ میں یہاں ایک عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے رکھا تھا۔ مگر اس کی تکمیل اس کے بیٹے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ہاتھوں ہوئی۔

مصلائے مروانی:

مصلائے مروانی، یا مروانی نماز گاہ، مسجد اقصیٰ کے زیرین حصہ میں واقع نماز گاہ ہے، جو کہ جنوب مشرقی سمت میں واقع ہے۔

اَقصائے قدیم:

یہ جامع قِبلی کے زیریں حصہ میں واقع ہے۔ اس جگہ کی تعمیر امویوں کے ہاتھوں ہوئی، جس کا مقصد مسجد کے اگلے حصہ تک ایک شاہی گزرگاہ کا انتظام کرنا تھا تاکہ اموی محلات کی جانب سے، جو کہ اقصیٰ کی حدود کے باہر جنوبی سمت تھے، سے مسجد تک پہنچنے کے لئے یہ گوشہ استعمال میں آئے۔

مسجدِ براق: یہ دیوارِ براق کے پاس واقع ہے۔

ان مقامات کے علاوہ احاطہ میں مندرج ذیل قابل ذکر ہیں:

- متعدد سبیلیں، کنویں اور نشست گاہیں جو کہ اقصیٰ کے گرداگرد پھیلے ہیں۔
- المدرسۃ الأشرفیہ، اس کے علاوہ بھی اقصیٰ مبارک کے اردگرد متعدد مدارس ہیں۔

تعمیرِ اَقصیٰ کی تاریخ:

اس مشہورِ عام مفروضے کے برعکس کہ مسجد اقصی کی تعمیر عبد الملک بن مروان کے ہاتھوں ہوئی، مسجد اقصیٰ کرۂ ارض کی ایک نہایت قدیم نماز گاہ ہے۔ عبد الملک بن مروان نے گنبد صخرہ تعمیر کیا نہ کہ مسجد کی بنا رکھی۔ جہاں تک مسجد اقصیٰ کا تعلق ہے تو ہم جانتے ہیں یہ قبلۂ اول رہ چکی ہے۔ کرۂ ارض پر خانۂ کعبہ کے بعد دوسری عبادت گاہ یہی ہے، جو کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

مسجد اقصیٰ کی بنا کس نے رکھی؟ راجح تر یہی ہے کہ سب سے پہلے شخص، جنہوں نے اس کی تعمیر کی، آدم علیہ السلام ہیں۔ اس رائے کی رو سے، آدم علیہ السلام نے بیت الحرام کی بنیادیں رکھنے کے چالیس سال بعد اس دوسرے خانۂ خدا کی بنیادیں رکھیں، اور ایسا بہ امر خداوندی ہوا۔ نہ یہاں کوئی کلیسا تعمیر ہوا تھا اور نہ کوئی 'ہیکل' اور 'ٹمپل'۔ پھر اس سے ایک مدت دراز بعد خلیل خدا ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت ہوئی جو کفر خانۂ عراق کو خیر باد کہہ کر اس جانب نقل مکاں ہوئے۔ یہ واقعہ کوئی اٹھارہ سو تا دو ہزار سال قبل مسیحؑ کا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیت الحرام کی بنیادیں از سر نو اٹھائیں اور اسے بنفس نفیس آباد کیا اور پھر اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کو اس کی آبادی پر مامور کیا۔ بعد ازاں آپ کے دوسرے فرزند اسحاق علیہ السلام اور پھر ان کے فرزند ارجمند یعقوب علیہ السلام خطۂ اقصیٰ کی آبادی پر مامور ہوئے۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں کوئی ہزار سال قبل مسیحؑ مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو ہوئی۔ پھر عمر بن الخطابؓ کے ہاتھوں فتح اسلامی کے بعد، جو کہ سن 15ھ بمطابق 636ء کا واقعہ ہے، جامع قِبْلی کی تعمیر ہوئی، جو کہ مسجد اقصی کا پیشینی حصہ ہے۔ پھر دولت اموی کے عہد میں گنبدِ صخرہ کی تعمیر ہوئی اور اس کے ساتھ جامع قِبْلی کی تعمیر نو بھی۔ اموی دور کے اس تعمیری منصوبے نے اپنے تکمیل کو پہنچنے میں تیس سال لگائے، یعنی 66ھ بمطابق 685ء سے لے کر 96ھ بمطابق 715ء تک۔ تب سے اب تک مسجد اقصیٰ اسی نقشے پر قائم ہے۔

مسجد اقصیٰ پر یہودی چیرہ دستیاں

مختصر تاریخی جائزہ

بیت المقدس پر 1967ء میں اسرائیل کا قبضہ ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی مسجد اقصیٰ پر یہودی چیرہ دستیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے......

دو سال بھی نہیں گزرتے کہ 1969ء میں یہود کا یہ صدیوں کا کینہ باہر آ جانے پر مجبور ہوتا ہے اور ایک آگ کی صورت انبیاء کی اس قدیم معصوم عبادت گاہ کو بری طرح اپنی زد میں لے لیتا ہے۔ ایک یہودی، سیاح کا روپ دھار کر مسجد میں داخل ہوتا ہے اور آتش زنی کر جاتا ہے۔ مسجد کے ایک بڑے حصے کی چھت خاکستر ہو جاتی ہے اور حتی کہ منبر صلاح الدین بھی بری طرح متاثر ہوتا ہے۔

یہودی بغض و کینہ درحقیقت قدس پر قابض ہونے سے پہلے ہی پوری ڈھٹائی کے ساتھ سامنے آ چکا تھا۔ سرزمین قدس کو اپنے ناپاک قبضے تلے لانے سے پورے دو عشرے پیشتر، یعنی جولائی 1948ء میں بھی یہودیوں کے مسلح گروہوں نے مسجد اقصیٰ کے احاطے پر 55 بم گرائے تھے۔

بیشتر لوگ جانتے ہیں کہ یہود اپنی خاص تاریخی یادداشتوں کو نہایت بڑھ کر اہمیت دیتے ہیں۔ یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کیلئے اگست کے مہینہ کا انتخاب بھلا کیوں کیا؟ یہودی تاریخ میں اکیس اگست 'ہیکل سلیمانی' کے انہدام کا دن بتایا

جاتا ہے۔ چنانچہ اسی مناسبت سے انہوں نے عین اسی دن کو مسجدِ اقصائے مبارک کو نذر آتش کرنے کیلئے مناسب ترین جانا!

چنانچہ اکیس جولائی 1969ء کو صبح سویرے، کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے نمازی یہاں فجر ادا کر کے گئے تھے، مسجد اقصیٰ میں ہر طرف آگ کے شعلے بھڑکتے دیکھے جاتے ہیں۔ مسجد کے تین حصے خاص طور پر آتش زنی کا نشانہ تھے:

مسجدِ عمرؓ: جو کہ احاطۂ اقصیٰ کے جنوبی گوشے میں واقع ہے۔ مسجد کا یہ حصہ رمزیہ طور پر اس اولین مسجد کی یاد دلاتا ہے جو بیت المقدس کے اسلامی قلمرو میں آنے کے بعد پہلے پہل پیروانِ محمدؐ کے ہاتھوں عمر بن الخطابؓ کی زیر سرکردگی تعمیر ہوا تھا! یوں مسجدِ اقصیٰ کا یہ گوشہ اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب عمر بن الخطابؓ نے مدینہ سے یہاں آکر نصرانی حبر اعظم صفرونیوس دمشقی سے بیت المقدس کی چابیاں بنفس نفیس وصول فرمائی تھیں! بعد ازاں ایک بڑے زلزلہ کے سبب مسجد کی یہ عمارت شدید طور پر متاثر ہوئی تو خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اس کو از سر نو تعمیر کیا اور نہایت عالیشان عمارت بنائی۔

مسجد کا یہ پیشینی حصہ صہیونیت کے دل میں کانٹے کی طرح نہ چبھے تو کیا ہو! اقصیٰ کا یہ حصہ جو مسجدِ عمرؓ کے نام سے موسوم ہے، اس کی چھت میں مٹی اور لکڑی بکثرت استعمال ہوئی ہے۔ چنانچہ طبعی بات ہے کہ آگ یہاں پر اپنا پورا اثر دکھاتی۔

منبرِ صلاح الدین: یہ منبر اور محراب اسلام کے عظیم سپوت صلاح الدین ایوبی کے نام سے موسوم ہے، جس نے مسلمانوں کے اس تاریخی شہر کو 1187ء میں صلیبیوں کے غاصبانہ قبضے سے آزاد کرایا تھا۔ دراصل یہ منبر نور الدین زنگی کا تیار کردہ تھا جو کہ اس نے شام کے شہر حلب میں بنوا کر محض اس انتظار میں دھرا رکھا تھا کہ مسجد آزاد ہوتے ہی اس کا یہ منبر اقصیٰ میں دھرا جائے گا، مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ فتحِ بیت المقدس کے بعد نور الدین کی یہ خواہش اس کے جانشین صلاح الدین نے پوری کی تھی!

اس چوبی منبر کی بابت ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں لکڑی کی ساری جڑائی کسی بھی کیل یا پیچ یا سریش وغیرہ کے بغیر عمل میں لائی گئی تھی اور لکڑی ہی کی کچھ ایسی کٹائی کی گئی تھی کہ اس کے مختلف حصے آپس میں مل کر فٹ ہو جائیں۔ اُس وقت کے مسلم معماروں نے دراصل اس کے اندر ایک رمزیہ پیغام دیا تھا کہ مسلم افواج کا بیت المقدس کو لینا ایسی ہی ایک حقیقت ہے جو آپ اپنے سوا کسی 'جوڑ' کی ضرورت مند نہیں اور یہ کہ امتِ اسلام کا اقصیٰ کے ساتھ ازل کا رشتہ بھی کچھ اسی نوعیت کا ہے!

یہودی آنکھ اس منبر کو ابھی تک یہاں دھرا بھلا کیسے برداشت کرتی!

جنوب مغربی گوشے کا بالائی حصہ: مسجد اقصیٰ کا یہ وہ بالائی حصہ ہے، جو مسجد کے فرش سے تقریباً دس میٹر بلندی پر ہے اور مسجد کے اندر سے اس تک سیڑھی کے بغیر پہنچا ہی نہیں جاسکتا۔ مائیکل ڈینس، جو کہ یہاں آگ لگانے آیا تھا سیاح کے روپ میں اندر داخل ہوا تھا اور ظاہر ہے سیڑھی لے کر نہیں آیا تھا۔ مسجد کے اس حصے میں آگ بھی اندرونی جانب کی نسبت بیرونی جانب زیادہ رہی۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آتش زنی کے اس گھناؤنے واقعہ میں بیرونی جانب سے بھی کوئی پورا ایک گروہ شریک تھا۔ مائیکل ڈینس جو کہ مسجد کے اندر تھا مغربی سمت سے بیرونی طرف اور اتنی اونچائی پر جا کر اکیلا آگ نہ لگا سکتا تھا۔ پھر جبکہ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ شہر بیت المقدس پر قابض ہو جانے کے بعد اسرائیلیوں نے مسجد کے مغربی سمت سے متصل علاقہ کو اپنے زیر نگرانی لے رکھا تھا۔ بلکہ اس جانب واقع پورا ایک محلّہ جو "حارۃ المغاربہ" کے نام سے معروف تھا، گرا کر احاطۂ مسجد کا مغربی پھاٹک جو کہ بوابۃ المغاربہ کہلاتا ہے، تک اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

محرابِ زکریاؑ: جو کہ مسجدِ عمرؓ سے متصل واقع ہے۔ زکریا علیہ السلام کے ساتھ دشمنی اب بھی نہ چھوٹی!

مقامِ اربعین: اقصیٰ کا یہ حصہ محرابِ زکریاؑ کے ساتھ آگے جا کر لگتا ہے۔ یہ بھی آتش کی زد میں آیا۔

تین بارہ دریاں: مسجد میں واقع کل سات بارہ دریاں ہیں جو کہ جنوب تا شمال ستونوں اور فصیلِ مسجد کے محرابی پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ان نہایت مزین بارہ دریوں میں سے تین اس آتش زدگی کا شکار ہوئیں۔

مسجد کے دو مرکزی ستون: یہ بھی زمین بوس ہوئے جو کہ مسجد کے گنبد تلے ایک نہایت خوبصورت محراب کا وزن اٹھا کر کھڑے تھے۔

مسجد کا اندرونی گنبد: یہ ایک چوبی گنبد تھا۔ اس پر رنگدار چونے سے کڑھائی کا نہایت خوبصورت کام ہوا تھا۔ طلائی نقش بھی تھے۔ نفیس کتابت کے شاہکار اور بیل بوٹوں کے کچھ نادر نمونے تھے۔

مرمریں محراب: یہ ایک پوری محراب تھی جو آتش کا شکار ہوئی۔ اس پر رنگین مرمر کا کام ہوا تھا۔

جنوبی سمت کی دیوار: مسجد کی جنوبی سمت کی پوری دیوار آگ سے نہایت بری طرح متاثر ہوئی۔ اس پر مرمر کی جڑی ہوئی رنگین تہہ پوری کی پوری تباہ ہوگئی۔

مسجد کے اڑتالیس روزن: یہ حد درجہ خوبصورت چوبی روزن تھے، جن پر چونے اور نہایت بیش قیمت رنگین کانچ کا کام ہوا تھا۔ چونے پر ترچھے انداز کی لکیریں اس انداز سے کندہ کی گئی تھیں کہ مسجد کے اندر آنے والی سورج کی شعاعیں نمازیوں پر سیدھی نہ پڑیں!

پوری مسجد کے قالین: یہ نہایت بیش قیمت فارسی قالین تھے، جو سب کے سب جل کر برباد ہوگئے۔

سورۂ اسراء کے ابتدائیہ پر مشتمل خطاطی کا نادر نمونہ: سورۂ اسراء کی ابتدائی آیات پر مشتمل خطاطی کا یہ ایک نادر نمونہ تھا، جو کہ طلائی پچی کاری سے کام لے کر نقش کیا گیا تھا۔ قرآنی خطاطی کا یہ نمونہ محرابِ مسجد کے عین اوپر تھا اور محراب کے مشرقی سمت تیئیس میٹر تک پہنچتا تھا۔

مسجد کے قدیم منقش شہتیر: یہ مسجد کے نہایت قدیم شہتیر تھے اور دیکھنے والے کو مسجد کی تاریخ کے جھروکوں میں بہت پیچھے لے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے مسجد کا بذات خود یہ ایک بڑا اثاثہ تھا۔ ان چوبی شہتیروں پر خوبصورت نقش و نگار تھے۔ مزید یہ کہ پرانی طرز پر ان شہتیروں کے ساتھ قندیلیں اور فانوس لٹکائے جاتے جو کہ ستونوں کے سروں پر لگی تاج نما کڑھائیوں کے مابین جھولا کرتے تھے تو نہایت دلکش لگتے!

☆☆☆☆☆

دراصل اسرائیلی اس مار پر تھے کہ اقصیٰ کے اندر تین مختلف اطراف میں لگائی گئی آگ پھیلتی پھیلتی آپ سے آپ بیچ میں آ ملے گی اور یوں مسجد کا جنوبی حصہ کلیتاً منہدم کر دینے کے بعد شمالی جانب بڑھے گی تو پوری مسجد ہی کا کام تمام ہو جائے گا۔ مگر خدا نے ان کو نامراد رہنے دیا۔ جنوب مغربی جانب کے بالائی حصہ میں لگائی گئی آگ کسی ان دیکھے سبب کے ہاتھوں آپ سے آپ بجھ گئی اور جنوب کی جانب تک نہ پہنچ سکی۔ یوں جنوب مشرقی حصہ جلنے سے بچا رہا۔ آگ شمال کی طرف ضرور بڑھی اور کوئی 1500 میٹر مربع کے قریب مسجد کا حصہ نذر آتش ہوا، یعنی کہ مسجد کا کوئی ایک تہائی حصہ۔ خیال رہے مسجد کا کل رقبہ 4400 میٹر مربع بنتا ہے۔

جس دن مسجد اقصیٰ میں آتش زدگی کا یہ واقعہ ہوا، خلافِ معمول اس دن اسرائیلیوں نے بیت المقدس میں بلدیہ کے زیر انتظام مسجدِ اقصائے مبارک کو فراہم کئے جانے والے پانی کی سپلائی بند کر دی تھی! وجہ ظاہر ہے کہ یہ ایک طے شدہ منصوبہ تھا۔ یعنی آگ جلے اور بجھانے کو پانی نہ ملے اور مسجد پر جان دینے والے بے چارگی سے مسجد کو جلتا دیکھیں! فائر بریگیڈ کی اسرائیلی گاڑیاں اس وقت پہنچیں جب اہلیان شہر جیسے کیسے ہمت کر کے آگ بجھانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اسرائیلی بلدیہ کی کارگزاری اس امر تک محدود رہی کہ دنیا بھر کی نیوز ایجنسیوں اور ٹی وی رپورٹروں کو جی بھر کر جلی ہوئی مسجد کی تصویریں اتارنے کی پوری پوری سہولت فراہم کرے اور نمازیوں کا غم و غصہ ان کے

آڑے نہ آئے۔ آگ بجھانے کے اس عمل میں کچھ کام آئے تو وہ عرب فائر بریگیڈ جو نہایت مختصر وقت میں اور ایک ناقابل یقین مستعدی کے ساتھ پاس کے شہروں 'خلیل' اور 'رام اللہ' سے یہاں پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جن لوگوں نے مسجد اقصیٰ میں یہود کی جانب سے لگائی جانے والی یہ آگ بجھائے جانے کے چشم دید واقعات بیان کئے ہیں انہیں سن کر آدمی دم بخود رہ جاتا ہے اور ان واقعات کو تاریخ کی کتابوں میں ذکر کیا جانے کے قابل جانتا ہے۔ شاید وہ خدا کے خاص دنوں میں سے ایک دن تھا۔ بیان کرتے ہیں: بیت المقدس کے اندر، پورے شہر کے ہاتھوں میں اس دن بالٹیاں اور کنستر تھے۔ مقدسی نوجوان دیوانہ وار، کندھے سے کندھا ملا کر دیوار بنے، پانی کی بالٹیاں احاطۂ مسجد کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا رہے تھے۔ ایسی بے شمار انسانی دیواریں اس دن یکا یک خدا کے اس قدیم گھر میں کھڑی ہو گئی تھیں جس دن اس گھر کی اینٹ گارے کی دیواریں شعلوں کی نذر ہونے لگی تھیں! 'نمازی' اس دن ثابت کر رہے تھے کہ 'صفیں' صرف نماز پڑھنے ہی کے لئے نہیں، مسجد بچانے کے لئے بھی بنائی جاتی ہیں! مسلمان مرد کیا عورتیں، مسجد کے احاطہ میں موجود کنوؤں کو دھڑا دھڑ گویا پانی سے خالی کر کے رکھ دیں گے! بوکے، ڈول، ٹین.. گھر کا جو جو برتن رسی سے باندھنے میں آ سکتا تھا کنوؤں میں جھونک دیا گیا اور جو نہ باندھا جا سکتا تھا وہ سروں پر اور ہاتھوں کے اندر پوری مسجد میں پانی لئے گشت کر رہا تھا! آگ بجھانے کے لئے پانی اب صرف ان کنوؤں سے لیا جا سکتا تھا جو یوں لگتا تھا کہ اسلاف نے کبھی اسی وقت کے لئے کھود رکھے ہوں گے! چھوٹے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کسی نے ہمت دکھانے میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ کوئی مشینری میسر نہ رہی تھی۔ اتنی بڑی مسجد کو شعلوں سے واگزار کرانے کیلئے سب کام خالی ہاتھوں سے اور خدا پر توکل کی بدولت ہو رہا تھا۔ نوجوانوں کی کئی ایک دیوانہ وار ٹولیاں مسجد کے اندر سے جلتی صفیں اور شعلوں میں لپٹے قالین اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہی تھیں! ایک ایک قرآنی مصحف بچایا

جا رہا تھا! کئی نوجوان تھے جو صلاح الدین ایوبی کے نام سے موسوم منبر اور محراب کا ہر ممکنہ حصہ بچا لینے کیلئے آخری حد تک کے جتن کر رہے تھے۔ اس منبر اور محراب کے وہ حصے جن کو شعلوں کے منہ سے نکال لینے میں کامیابی ہوئی، احاطۂ اقصیٰ کے ایک گوشے میں قائم کئے گئے میوزیم کے اندر آج بھی محفوظ ہیں!

'ایماں کی حرارت والوں' نے، تہی دست ہوتے ہوئے، خدا کے فضل سے بہت بار تاریخ رقم کی ہے!

جرم کا مرتکب مائیکل ڈینس روہن نامی یہودی تھا، جس کو مقدمہ کا سامنا کرنے میں زیادہ دشواری نہ ہوئی۔ اسرائیلی حکام نے اس کو پاگل قرار دیا اور کچھ دیر بعد یہ شخص آسٹریلیا منتقل ہو گیا۔ نہ جیل نہ سزا! باقی وہ پورا گروہ جس نے اس بدبخت کے ساتھ مل کر یہ واردات کی تھی اور اس اتنی بڑی مسجد کے تین حصوں کے اندر آگ کو ناقابو ہو جانے کے مرحلے تک پہنچایا تھا اور پھر اس شرپسند کے اہالیانِ مقدس کے ہاتھ نہ آنے کا بھی پورا پورا بندوبست پیشگی کر رکھا تھا، تو یہ پورا گروہ 'نامعلوم' رہا اور اسرائیلی 'عالمی معیار' کی عدالتوں کی نگاہ میں خوامخواہ کا ایک 'مفروضہ'، سزا کی نوبت تو خیر آتی ہی کیوں؟!

اتنی بڑی آگ صرف 'ایک فرد' کا کیا دھرا تھا جو 'اتفاق' سے پاگل نکلا!

یہ ایک واضح امر ہے کہ جب سے اسرائیل نے بیت المقدس پر اپنا پلید قبضہ قائم کیا، اسی وقت سے مسجد کو نقصان پہنچانے کے اس پروگرام کی تیاری ہو رہی تھی۔ 1968ء پورا اور پھر 1969ء کا بڑا حصہ اسی تیاری میں گزرا۔ ایک پورا گروہ اس میں شریک رہا۔ چاہتے وہ یہ تھے کہ یہ واقعہ کچھ اتنے بے ساختہ انداز میں رونما ہو کہ دنیا کے ایک محدود سے 'شکی مزاج' طبقے کے سوا ہر کسی کو یہ ایک 'طبعی واقعہ' معلوم ہو اور اس پر 'آسمان سر پر اٹھا لینا' خوامخواہ کا ایک 'غیر ضروری' امر۔ مگر خدا نے ان کے اس کریہہ منصوبے کو ناکام رہنے دیا......

مسجد بچ گئی اور امت جاگ گئی!

مسجد اقصیٰ کے گرد منڈلاتے یہودی عزائم:

1780ء میں ایک انتہا پسند یہودی گروہ پکڑا گیا جو بھاری مقدار میں بارود مسجد کے نیچے لگانا چاہتا تھا۔اس ٹولے کی یہ سازش کامیاب ہوجاتی تو مسجد شاید پوری اڑ جاتی۔

ایک بار 1982ء میں اور پھر دوسری بار 1983ء میں مسجد اقصی کی مسلم گارڈ نے دو بڑے بڑے پارسل پکڑے جن کے اندر ٹائم بم نصب تھا۔

1984ء میں سر پھرے یہودیوں کے ایک گروہ نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کی کوشش کی، جبکہ انہوں نے دستی بم اٹھا رکھے تھے اور ساتھ میں چھ تھیلے بارود کے بھرے ہوئے تھے۔ یہ بھی مسجد کا کام تمام کرنے آئے تھے۔

1986ء میں مسجد اقصیٰ ایک اور انداز میں یہودی بغض کا نشانہ بنتے بنتے رہ جاتی ہے۔اس بار اسرائیلی فضائیہ کا ایک سر پھرا پائلٹ اپنا طیارہ لے کر اڑتا ہے تو مسجد اقصیٰ پر چلانے کیلئے میزائل ساتھ رکھے ہوتے ہیں۔خدا نے اس کوشش سے بھی اقصیٰ کو محفوظ رکھا۔

مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں اور آس پاس اسرائیلی قتل عام تو خیر معمول کی بات ہے۔اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر اکتوبر 1990ء کا وہ واقعہ ہے جب اسرائیلی فوجی دستوں نے نمازیوں پر سیدھا فائر کھول دیا، جس سے 23 نمازی موقعہ پر ڈھیر ہوگئے۔ یہودی یہاں اپنے نام نہاد ہیکل سلیمانی کا سنگ بنیاد رکھنے آئے تھے کہ نہتے نمازی ان کے آڑے آئے اور پوری مسجد نے واضح کردیا کہ یہ کوشش وہ کامیاب نہ ہونے دیں گے۔تب اقصیٰ کے نمازیوں میں سے 23 سینوں کو گولیوں کے تمغے ملے! خدا ان کی شہادت قبول کرے۔

28 ستمبر 2000ء کو پھر وہ یادگار واقعہ ہوتا ہے جو انتفاضۂ دوئم کا نقطۂ آغاز بنتا ہے.. اسرائیل کے سابق وزیر اعظم ایریل شیرون نے اپنے یہودی جتھے کے ساتھ مسجد اقصیٰ

میں زبردستی گھسنے کی کوشش کی تھی کہ پوری مسجد اس کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہوگئی۔ طرفین میں تصادم ہوا۔ بیت المقدس میں ہر طرف مسلمانوں کی لاشیں گریں۔ اور پھر وہیں سے انتفاضۂ مبارک کے مرحلۂ دوئم کا آغاز ہوگیا جو آج تک جاری ہے۔

مسجد اقصیٰ کے زیرزمین اسرائیلی کھدائیاں

ڈیڑھ ارب مسلم امت کیلئے ایک گھناؤنا چیلنج

اسرائیل کے آبادکاری شعبے نے شہر بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے زیر زمین کھدائیوں کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ کھدائیوں کا یہ سلسلہ اس وقت نو میٹر نیچے تک جا پہنچا ہے اور نشیبی چٹانوں کو جا لگنے لگا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے کئی حصوں کو کھوکھلا کر چکا ہے اور خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ اب کوئی بڑا الرزہ یا جھٹکا مسجد کے ان حصوں کا کام تمام کر دے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنی اس گھناؤنی حرکت سے اسرائیل، کرۂ ارض پر پھیلی ڈیڑھ ارب مسلم امت کو، ایک ایسی مسجد کے مستقبل کے معاملہ میں جو ان کے دلوں میں بستی ہے، آخری حد تک چیلنج کر رہا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ یہ تمام کھدائیاں کر لینے کے بعد بھی یہود کو اپنے نام نہاد ہیکل کا کوئی نشان نہیں ملا۔ ورنہ یہود نے لازماً اب تک آسمان سر پر اٹھا لیا ہوتا۔

مسجد میں آتش زدگی کے واقعہ کے بعد جس وقت مسجد کی مرمت کا کام ہو رہا تھا اور اس کیلئے کچھ کھدائیاں بھی کی گئیں تو اس وقت مسجد کے نیچے تازہ کھودی گئی ایک خندق دریافت ہوئی۔ ظاہر ہے یہ یہود کا لگایا ہوا نقب ہے جو آتش زنی کے واقعہ کے کچھ ہی دیر پہلے مکمل کیا گیا تھا۔ یہ زیرزمین نقب مسجد کی جنوبی فصیل سے چلتا ہوا مسجد کے اندر تک پہنچتا تھا۔ یہ سن ساٹھ کی دہائی کی بات ہے جب ابھی اسے یہاں پر قابض ہوئے صرف دو سال ہوئے تھے۔ اب ان کی کھدائیاں بھلا کہاں کہاں نہ پہنچ چکی ہوں گی؟

مسجد اقصیٰ کے زیر زمین اسرائیلی کھدائیاں دس مرحلوں سے گزری ہیں۔ کئی مسلم اداروں نے اس پر کام کیا ہے۔ ذیل میں اس کی نہایت مختصر روداد ذکر کرتے ہیں:

پہلا مرحلہ 1967ء تا 1968ء چلتا ہے۔ مسجد کے جنوبی حصہ میں ستر میٹر تک کھود ڈالا گیا۔ یہ کھدائی مسجد کی جنوبی فصیل، مسجد میں بنے ہوئے عجائب خانہ، جنوبی مینار اور عورتوں والے حصہ کے نیچے سے گزرتی تھی۔ یہ چودہ میٹر تک گہری تھی۔ اس سے ان مذکورہ عمارتوں کے اندر کئی جگہ پر دراڑیں پر گئیں۔

دوسرا مرحلہ 1969ء سے شروع ہوتا ہے۔ یہی کھدائی بڑھتی ہوئی شمال کی طرف جانے لگتی ہے، یہاں تک باب المغاربہ تک پہنچتی ہے۔ اس کے درمیان چودہ عمارتیں آتی ہیں، جن میں قابل ذکر دار العلوم امام شافعی ہے۔ اس کھدائی کی لمبائی اسی میٹر ہے۔ احاطۂ اقصیٰ کے باہر بھی اس کا سلسلہ چلا۔ وہاں کی عمارتیں دراڑوں کا شکار ہوئیں، پھر اسی سال اسرائیلی بلڈوزروں نے وہ عمارتیں ملیامیٹ کر ڈالیں اور وہاں کے مسلم رہائشیوں کو وہاں سے بے دخل کر دیا گیا۔

تیسرا مرحلہ جو 1970ء تا 1974ء جاری رہا۔ پھر کچھ تعطل کے بعد ۱۹۷۵ء میں شروع ہوا اور ان سطور کے لکھے جانے تک جاری ہے۔ کھدائی کے اس منصوبہ میں بیت المقدس کی مسلم شرعی عدالت کا زیر زمین کھوکھلا کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں دار العلوم تنکزیہ۔ شمال کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے اقصیٰ کے پانچ پھاٹکوں کو متاثر کیا، باب السلسلہ، باب المطہرہ، باب القطانین، باب الحدید اور باب علاء الدین۔ احاطۂ اقصیٰ کے باہر متعدد آثار قدیمہ اور مذہبی مقامات اور رہائشیں متاثر ہوئیں۔ جن میں سے خاص طور پر قابل ذکر چار مساجد، قطانین کا تاریخی بازار اور قایتبائی کا مینار، دار العلوم جوہریہ، رباط الکرد اور جامع مسجد عثمانی ہیں۔

ان کھدائیوں کی گہرائی دس سے چودہ میٹر تک جاتی ہے۔

چوتھا مرحلہ 1973ء تا 1974ء چلتا ہے۔ یہ اقصیٰ کی مغربی فصیل کو متاثر کر چکی ہے۔اس کی گہرائی تیرہ میٹر تک پہنچتی ہے۔

پانچواں مرحلہ 1974ء سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک اور زاویہ میں مغربی فصیل سے جنوبی فصیل کی طرف بڑھتی ہے۔اس کی لمبائی اسی میٹر ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ چوتھے اور پانچویں مرحلے کی کھدائی کے نتیجے میں اقصیٰ کی جنوبی فصیل میں دراڑیں پڑتے پڑتے آخر اس کا اس کا ایک حصہ جھڑ بھی گیا ہے۔ یہاں سے اندر جانے کا راستہ ہو چکا ہے اور یہاں سے مسجد کے جو حصے سامنے پڑتے ہیں وہ تین ہیں:

مسجدِ عمر اور اقصیٰ کا جنوب شرقی حصہ،
اقصیٰ کے محراب کا زیریں حصہ
جنوب مشرقی طرف کی بارہ دریوں کے زیریں حصے۔
یہاں سے فصیل اور مسجد ہی کے گر جانے کا خطرہ نہایت زیادہ ہے۔

چھٹا مرحلہ 1975ء سے شروع ہوتا ہے۔ یہ احاطۂ اقصیٰ سے باہر کی جانب بڑھتا ہے قدیمی شہر بیت المقدس کی فصل تک چلا جاتا ہے۔ یہ جگہ شہر کے بابِ مریم اور شمال شرقی فصیل کے درمیان پڑتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہودی یہاں کھدائیاں کرنے کیلئے مسلمانوں کے قبرستان سے متصل اراضی ضبط کر چکے ہیں۔ بیت المقدس کا یہ ایک قدیم ترین قبرستان ہے اور یہاں بے شمار صحابہ، ائمہ، علماء، فقہاء اور مسلمانوں کی تاریخی شخصیات دفن ہیں۔ان میں خاص طور پر قابل ذکر قبریں صحابی رسولﷺ عبادہ بن الصامتؓ اور شداد بن اوسؓ کی ہیں۔اس قبرستان کا ایک بڑا حصہ اس وقت خطرے میں ہے۔

ساتواں مرحلہ 1977ء سے شروع ہوتا ہے۔ان کھدائیوں کی زد "صحنِ براق" پر پڑتی ہے جو کہ اقصیٰ کی مغربی فصیل سے متصل واقع ہے۔ یہ کھدائی نو میٹر تک جاتی ہے۔

آٹھواں مرحلہ 1967ء ہی میں شروع ہوگیا تھا۔ ان کھدائیوں کا عنوان تھا 'اسرائیل کی مملکتِ یہودہ کے بادشاہوں کی قبروں کی دریافت'۔ اس کا رخ اقصیٰ کی جنوبی فصیلوں کے بیرونی جانب رہا۔ فصیل مسجد کو اس سے نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے۔

نویں مرحلہ میں 1980ء کے اندر ایک سرنگ دریافت ہوتی ہے جو وارن (انگریزی نام) سے منسوب ہے۔ یہ مسجد کے باب السلسلہ اور باب القطانین کے مابین واقع ہے۔ یہ احاطۂ اقصیٰ میں مشرقی جانب پچیس میٹر تک اندر آتی ہے اور چھ میٹر چوڑی ہے۔ یہ اقصیٰ کے اندر لگی پانی کی سبیل 'قایتبائی' تک پہنچتی ہے۔ اس سے باب السلسلہ اور باب القطانین کے مابین واقع باہ دربوں کی بنیادوں میں پڑ جانے والی دراڑیں واضح دیکھی گئی ہیں۔

دسواں مرحلہ، جو کہ سب سے خطرناک شمار ہوتا ہے۔ ان کھدائیوں کی زد میں مسجد اقصیٰ کے صحن پکے فرش آرہے تھے۔ مگر بڑھتے بڑھتے اب ان کا دائرہ مسجد کے مرکزی ہال اور گنبد صخرہ تک آنے لگا ہے۔ یہاں تک کہ آج اگر آپ جا کر وہاں دیکھیں تو گنبدِ صخرہ اور مسجد اقصیٰ کی اندرونی دیواروں پر جڑے ہوئے سنگ مرمر میں کئی جگہ آپ کو دراڑیں پڑی ہوئی نظر آئیں گی۔

ارضِ مقدس
مسلم جسد کا اٹوٹ حصہ

ارضِ مقدس یعنی فلسطین، بحر ابیض Mediterranian Sea کے جنوبی ساحل کا وہ نقطہ ہے جہاں دنیا کے دو سب سے گنجان آباد براعظم، ایشیا اور افریقہ ملتے ہیں۔ صحرائے سینا، جو کہ فلسطین کا غربی حصہ ہے، جنوب کی جانب سے بحر احمر اور شمال کی جانب سے بحر ابیض کو الگ کرتا ہوا وہ خطہ ہے جو ایشیا اور افریقہ کے مابین خشکی کا سنگم ہے۔ یہیں کھڑے ہو کر بحر ابیض کے دوسرے پار جھانکیں تو تھوڑی ہی دور، براعظم یورپ ہے۔ اس لحاظ سے 'فلسطین' دنیا کا وہ خطہ ہے جو تین براعظموں کو نہایت قریب پڑنے والا ایک مقام ہے۔

بعثتِ ابراہیمؑ کے ساتھ ہی تہذیب انسانی ایک نئے مرحلے میں داخل ہوتی ہے، اور قوموں کا تبادلۂ عمرانی ایک نئی زوردار صورت دھارنے لگتا ہے، تو کوئی خاص وجہ ہوگی جو بابائے ملت ابراہیم علیہ السلام عراق سے اٹھ کر یہاں آ ڈیرہ لگاتے ہیں۔ یہی نقطہ ایک طرف افریقہ (مصر) کی جانب توحید کی پیش قدمی کا مرکز بنتا ہے تو دوسری جانب یہیں سے چل کر ابراہیم علیہ السلام جزیرۂ عرب میں توحید کا ایک پودا ازسرنو کاشت کر کے جاتے ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو یوں ہوتا ہے کہ یہیں پر نبوتوں کا تانتا بندھ جاتا ہے اور زمین کا یہ خطہ آسمان کی روشنی سے چمک اٹھتا ہے۔

مابعد موسیٰؑ اور ماقبل مسیحؑ کا یہی وہ زمانہ ہے (موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے مابین کوئی ڈیڑھ ہزار سال سے زائد عرصہ بنتا ہے) جب بحر ابیض کے دوسری جانب، یورپی اقوام بھی تہذیب کی کرنوں کی تمازت سے بیدار ہوکر آنکھیں ملنے لگی تھیں اور ان کے کئی ایک روشن دماغ بحر ابیض کا حوض پار کر کے ارضِ انبیاء سے فیضِ علم و معرفت حاصل کر کر کے واپس جاتے اور یونان اور روم کی وحشی بت پرست اقوام میں ایک تبدیلی کا پیش خیمہ بننے لگے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، فلاسفۂ یونان کی تاریخ کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔

بعثتِ محمدیؐ کے بعد ایشیا کا ایک بڑا خطہ نہ صرف 'عالم اسلام' بنتا ہے بلکہ 'عالم عرب' کہلاتا ہے۔ یہ 'عربستان' مشرق کی جانب فارس اور ماوراء النہر سے ملتا ہے اور جنوب میں جزیرۂ عرب اور صومال کے ساحلوں پر بحر ہند سے تو مغرب کی جانب افریقہ کے اندر مصر، سوڈان، لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش سے ہوتا ہوا موریطانیا بلکہ مالی تک جاتا ہے بلکہ کسی وقت اندلس تک جاتا تھا۔ یہ 'عربستان' جو زیادہ تر شرقاً غرباً پھیلا ہے، خطۂ فلسطین بڑی حد تک اس کے وسط میں پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپیوں کے ہاں 'مشرقِ وسطیٰ' کی اصطلاح بنیادی طور پر اسی خطے کے لئے وجود میں آئی تھی۔

تاریخی طور پر فلسطین 'وسیع تر شام' Greater Syria کا حصہ رہا ہے۔ تاریخ میں جس خطے کو 'بلادِ شام' کہا جاتا ہے اس کے چار اقلیم ہیں، حالیہ سیریا، فلسطین، لبنان اور اردن، جو کہ اس وقت چار الگ الگ ملک ہیں۔ خطۂ شام صرف قدیم نبوتوں اور صحیفوں کے حوالے سے نہیں، احادیث نبویؐ کے اندر بھی ایک قابل تعظیم خطہ کے طور پر مذکور ہوتا ہے اور محدثین نے رسول اللہ ﷺ سے ثبوت کے ساتھ 'شام' کے لاتعداد مناقب روایت کئے ہیں۔ یہاں تک کہ کئی اہل علم نے آیات اور مستند احادیث پر مشتمل، سرزمین شام کی فضیلت پر باقاعدہ تصانیف چھوڑی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا بخاری میں مروی ہے:

اللهم بارک لنا فی شامنا[1]

''اے اللہ! ہمارے شام میں برکت فرما''۔

مزید برآں کئی احادیث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ خطۂ شام طائفۂ منصورہ[2] کا مسکن بنا رہے گا، مثلاً حدیث:

لایزال أهل الغرب ظاهرين على الحق حتى تقوم الساعة[3]

''شام کی جہت والے لوگ بالاتر رہیں گے، حق پر رہتے ہوئے، یہاں تک کہ قیامت آجائے''۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ کا یہ فرما دینا:

إذا فسد أهل الشام فلا خير فيكم، لا تزال طائفة من أمتى منصورين لا يضرهم من خذلهم حتىٰ تقوم الساعة[4]

''جب اہل شام فساد کا شکار ہو جائیں تو پھر تم میں کوئی خیر نہیں۔ میری امت میں سے ایک طبقہ نصرت مند رہے گا، جو لوگ ان کو بے یار و مددگار چھوڑیں گے وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ پائیں گے، یہاں تک کہ قیامت آجائے''۔

ایسے ہی نبوی اخبار و آثار کے پیشِ نظر صحابہ کی بہت بڑی تعداد خاص شام کو مسکن بنا کر رہی اور شام و مابعد خطوں میں جہاد کرنا صحابہ کو سب سے زیادہ مرغوب تھا۔

---

(1) صحیح بخاری حدیث رقم: 990

(2) ''طائفۂ منصورہ'' سے مراد ہے امت اسلام کا وہ طبقہ یا گروہ جو تا قیامت حق پر قائم اور برسرِ جہاد رہے گا، اور خدا کی نصرت اس پر اترتی رہے گی۔

(3) صحیح مسلم حدیث رقم 5067

(4) مسند احمد حدیث رقم 15635، عن معاویۃ بن قرۃ۔ مسند احمد کی تخریج کے تحت محدث شعیب الارنؤوط نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ اس حدیث کو محدث البانیؒ نے صحیح کہا ہے (دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ: حدیث نمبر 403) یہی حدیث ترمذی، ابن حبان اور طیالسی میں آئی ہے۔

مدینہ یا عمومی طور پر جزیرۂ عرب کے بعد اگر کوئی خطہ ہے جس کو یہ شرف حاصل ہو کہ وہاں اصحابِ رسول اللہ کی سب سے بڑی تعداد دفن ہے تو وہ بلاد شام ہی ہے۔ پس یہاں جگہ جگہ انبیاءؑ مدفون ہیں، جو کہ مخلوق میں برگزیدہ ترین ہیں اور یا پھر خاتم المرسلینؐ کے اصحابؓ جو کہ انبیاء کے بعد برگزیدہ ترین ہیں۔ اور جہاں تک تابعین وما بعد ادوار کے اولیاء وصلحاء، ائمۂ وعلماء، شہداء اور مجاہدین، قائدین اور سلاطین اور عجوبۂ روزگار مسلم شخصیات کا تعلق ہے، تو خطۂ شام کے حوالے سے وہ تو شمار سے باہر ہے۔ یوں سمجھئے شام ہمیشہ ہیروں موتیوں سے بھرا رہا ہے!

کئی ایک نصوص کی رو سے شام ہی ارض محشر ہے (1)۔

---

(1) اس سلسلہ میں دیکھئے یہ تین حدیثیں:

۱- الشام أرض المحشر والمنشر. ''شام سرزمین ہے حشر کی اور نشر کی'' یہ روایت حضرت ابوذرؓ سے ہے۔ صحیح الجامع کی روایت نمبر 3726 کی تخریج میں محدث البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھئے البانی کی الجامع الصغیر وزیادته حدیث رقم 6039)

۲- عن أبی ذر رضی اللہ عنہ، أنه سأل رسول الله ﷺ عن الصلاة فی بيت المقدس أفضل أو فی مسجد رسول الله ﷺ؟ فقال: صلاة فی مسجدی هذا أفضل من أربع صلوات فيه، ولنعم المصلی هو، أرض المحشر والمنشر، وليأتين على الناس زمان ولقيد سوط أو قال قوس الرجل حيث يرىٰ منه بيت المقدس خير له أو أحب إليه من الدنيا جميعا ''ابوذرؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: آیا بیت المقدس میں نماز افضل ہے یا مسجد نبوی میں؟ آپؐ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز اُس (بیت المقدس) میں چار نمازوں سے افضل ہے۔ اور نہایت خوب ہے جائے نماز بیت المقدس بھی، حشر اور نشر کی سرزمین، اور یقیناً لوگوں پر ایک وقت آنے والا ہے کہ آدمی کے پاس ایک دُرّے جتنی جگہ ہونا، یا پھر کہا، ایک کمان جتنی جگہ ہونا، کہ جہاں سے وہ بیت المقدس کو دیکھ سکتا ہو، اس کے لئے پوری دنیا سے بہتر یا محبوب تر ہوگا''۔ (البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے صحیح الترغیب والترهیب حدیث رقم 1179)

۳- عن ميمونة بنت سعد مولاة النبی ﷺ، قالت: يا نبی الله أفتنا فی بيت المقدس. فقال: أرض المحشر والمنشر ''نبی ﷺ کی باندی میمونہ بنت سعدؓ سے روایت ہے، کہا: میں نے دریافت کیا: اے نبی اللہ ﷺ! ہمیں بیت المقدس کی بابت آگاہ فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: ارضِ محشر اور ارضِ منشر ہے'' البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے (دیکھئے فضائل الشام و دمشق، حدیث رقم 4)

شام کا ایک تاریخی حوالہ اہل اسلام کے ہاں 'ارضِ رِباط'[1] رہا ہے......

اسلامی فتوحات سے پہلے دراصل شام ہی دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور کا پایۂ تخت رہا ہے۔ یہیں سے بیٹھ کر رومن سیزر ایشیا، یورپ اور افریقہ کے ایک بڑے خطے پر قائم اپنی ایمپائر کا انتظام وانصرام کرتا تھا، جو کہ اس جگہ کی جغرافیائی اہمیت کی ایک واضح دلیل ہے۔ رومن طنطنہ و جبر کا سکہ کوئی چوتھائی دنیا پر یہیں سے چلایا جا رہا تھا۔ اسلام کے شیر جزیرۂ عرب سے نکلے تو مغربی سمت سب سے پہلا ہلہ ظلم کے اسی راج گھاٹ پر بولا گیا۔ چنانچہ بیرونی فتوحات میں انبیاء کی یہ سرزمین اہل اسلام کیلئے پہلا خدائی تحفہ تھا۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی مجاہد سپاہ کے ہاتھوں یرموک کی فیصلہ کن شکست کے بعد سیزر ہریکولیس اپنا یہ تاریخی جملہ کہتا ہوا رخصت ہوا 'سلام اے ارض شام، جس کے بعد کبھی ملنا نہیں'...... اور اس کے ساتھ ہی یہ خطہ اذانوں کی گونج میں عدل فارقی کا نظارہ کرنے لگا!

شام کا مسلم افواج کے ہاتھوں میں آنا تھا کہ ایشیا اور افریقہ میں پھر رومنز کے باقی مقبوضات پکے پھل کی طرح ایک ایک کر کے عمر فاروقؓ کی جھولی میں گرنے لگے اور تکبیروں کی گونج میں مغرب کی جانب پیش قدمی کرتی ہوئی مسلم افواج مصر سے بڑھتی ہوئی افریقہ کے ایک بڑے علاقے تک صبح صادق کی طرح پھیل گئیں۔ بلکہ کچھ ہی دیر بعد بحر ابیض کے ساحلوں پہ بڑھتی ہوئی پورے شمالی افریقہ پر حاوی ہوگئیں، یہاں تک کہ قیروان، مراکش سے اِدھر کہیں رکنے کا نام نہ لیا، جہاں شمال کی جانب بحر ابیض کے دوسرے پار اندلس (یورپ) رہ جاتا تھا تو مغرب کی جانب خشکی ختم، بحر اوقیانوس

(1) 'رِباط' کا مطلب ہے آدمی کا حالتِ جنگ کیلئے کسی جگہ پر تیار اور حاضر پایا جانا۔ اس کیفیت میں ہونا کہ جنگ اب چھڑی کہ اب۔ یا یہ کہ آدمی کو کسی جھڑپ کیلئے ابھی طلب کر لیا جائے گا یا ذرا ٹھہر کر۔ جنگ کے لئے آدمی کا محاذ پر ہونا۔ مورچہ زن ہو رہنا۔ حدیث میں آتا ہے:

رِبَاطُ يَوْمٍ في سبيل الله خيرٌ مِّنَ الدُّنيَا وَمَا عَلَيْهَا (متفق علیہ)

''اللہ کے راستے میں ایک دن کا رباط دنیا و مافیہا سے بہتر ہے''

Atlantic Ocean شروع ہو جاتا تھا، جس کی بابت اُس وقت کے لوگوں کا خیال تھا کہ دنیا یہاں پر ختم ہو جاتی ہے!

اس سے کوئی دو عشرے بعد یہیں شام سے بیٹھ کر امیر معاویہؓ نے بحر ابیض کو، جس کا دوسرا نام کسی وقت 'بحرِ روم' ہوا کرتا تھا، اسلام کے بحری بیڑوں کی آماج گاہ بنا دیا اور قبرص اور سسلی ایسے اسٹریٹجک جزیروں کو زیر نگین کرتے ہوئے سیزر کے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر چڑھائی کیلئے موحدین کے لشکر روانہ کئے۔ چند عشرے بعد یہیں سے بیٹھ کر خلیفہ ولید بن عبدالملک اندلس کا خراج وصول کرنے لگا۔ چنانچہ مغرب کی جانب ہونے والی تمام تر اسلامی توسیع کیلئے ارض شام ایک گیٹ وے بنا رہا۔

اس کے بعد کوئی تین صدی تک رومنوں کی بائزنٹینی ایمپائر کے ساتھ عباسی خلفاء اور بعد ازاں کچھ علاقائی امارتوں کی مسلسل جنگ رہی تو اس کا بیس کیمپ بڑی حد تک شام ہی رہا۔ اس لحاظ سے، شام مجاہدین سے کبھی خالی نہ رہا۔ اسلام کے دورِ عروج میں بھی شہادت کے متلاشی صدیوں تک اسی جگہ کو اپنا مستقر بناتے رہے۔ پھر جب مسلم قوت کے کمزور پڑ جانے کے بعد صلیبی یلغاریں شروع ہوئیں تو یہی خطہ جو کبھی بندگانِ صلیب پر عرصۂ حیات تنگ کرکے رہا تھا اب ان کی دست درازی کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا ہدف تھا۔ پانچویں صدی ہجری میں بیت المقدس اور فلسطین کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا اور بقیہ شام لینے کیلئے صلیبی افواج ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں، جس کے بعد ان صلیبی قوتوں کا اگلا ہدف یہ تھا کہ عالم اسلام کے دیگر خطے بھی تاراج کر دیں، بلکہ ان کا ایک بدبخت رینالڈ ڈی شاتیلون، جو کہ کرک کا صلیبی بادشاہ تھا، اور مصر سے آنے والے حجاج کے قافلے لوٹنے کیلئے بہت آگے تک جایا کرتا تھا، علی الاعلان بکتا تھا کہ وہ مدینہ پہنچ کر پیغمبرِ اسلام کی قبر اکھاڑنے سے کم کسی بات پر رکنے والا نہیں۔ یہی وہ خبیث النفس تھا جس کی بابت صلاح الدین نے قسم کھا کر نذر مانی تھی کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے جہنم رسید کرے گا۔ چنانچہ اب ایک بار پھر، پوری عیسائی

دنیا کے مدمقابل پورے عالم اسلام کی جنگ یہیں پہ مورچہ زن ہو کر لڑی جانے لگی۔ چھٹی صدی ہجری میں عماد الدین، نورالدین اور پھر صلاح الدین کے گھوڑے اسی ارض شام میں دوڑائے گئے کہ بالآخر اللہ نے بیت المقدس مسلمانوں کو واپس دیا۔ حطین کا وہ تاریخی میدان فلسطین ہی میں واقع ہے جہاں پر صلاح الدین کی مجاہد سپاہ نے عالم صلیب کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اور جس میں سات صلیبی بادشاہ قید کر کے صلاح الدین کی سرکار میں پیش کئے گئے تھے۔ صلاح الدین کی جانب سے رینالڈ کہ گستاخ رسول اور آخری درجے کا بدعہد تھا کو چھوڑ کر باقی چھ کی جان بخشی کر دی گئی تھی۔ 'حطین' درحقیقت سات عشرے سے مسلسل جاری جہادی عمل کا نقطۂ عروج تھا۔ مگر اس کے بعد بھی کوئی دوسو سال تک ایوبی سلاطین اور پھر ممالیک، صلیبی حملوں کے مدمقابل یہیں پر معرکہ آرا رہے اور امت کے لئے خدائی نصرت کا ذریعہ بنتے رہے۔

چنانچہ شام خصوصاً فلسطین کے علاوہ شاید ہی کوئی خطہ ہو جس کو اتنی صدیاں اس تسلسل اور اس شدت کے ساتھ 'ارضِ رِباط' بنا رہنے کا شرف حاصل رہا ہو، اور وہ بھی امت کے ایک نہایت فیصلہ کن محاذ کے طور پر۔

یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاریوں کا سیلاب قریب قریب پورے عالم اسلام کو غرقاب کر چکا تھا اور بغداد کے دارِ خلافت کو تہس نہس کر چکا تھا تو صرف شام کا کچھ خطہ اور مصر باقی رہ گیا تھا جو ابھی تک مسلم قلمرو کا حصہ تھے۔ تاتاریوں کی وحشی یلغار کے سامنے 'ممالیک' اب عالم اسلام کی آخری امید رہ گئے تھے۔ تب سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلامؒ کے زیر تحریک، مملوک سلطان سیف الدین مظفر قطز کی قیادت میں مصر سے اسلام کا ایک لشکر اٹھتا ہے اور ہلاکو کے نائب کتبغا کے زیر قیادت شام میں پیش قدمی کرتی ہوئی تاتاری افواج سے مقابلہ کیلئے فلسطین کے تاریخی مقام 'عین جالوت' کا انتخاب کرتا ہے۔ معرکۂ عین جالوت کے نتیجہ میں پہلی بار مسلم دنیا 'اہل اسلام کے ہاتھوں تاتاریوں کو شکست فاش' ہونے کی خبر سنتی

ہے، ورنہ تا حال تا تاریوں کیلئے 'شکست' کا لفظ سننے کی حسرت تک مسلم دلوں میں کبھی پوری نہ ہو پائی تھی۔ معرکۂ عین جالوت کی بابت ہی سلطان قطز کا یہ تاریخی نعرہ مشہور ہے 'وا اسلاماہ!!' کہ ہائے، اسلام گیا!'۔ اسی معرکہ کی بابت، جو کہ رمضان میں جمعۃ المبارک کے روز ہوا، اور جس کا نتیجہ جاننے کے انتظار میں پورا عالم اسلام دم سادھ کر بیٹھا تھا، مشہور ہے کہ سلطان نے نماز جمعہ کے وقت تک معرکہ شروع نہ ہونے دیا، جس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ عالم اسلام میں شرق تا غرب مسجدیں لشکر اسلام کی نصرت کے لئے دعا گو ہو جائیں تو معرکہ تب شروع ہو!

اس سے چند عشرے بعد قازان کی قیادت میں تا تاری سیلاب کا ایک اور زوردار ریلہ شام کا رخ کرتا ہے اور شقحب کے مشہور معرکہ میں مسلم افواج کے ہاتھوں منہ کی کھا کر لوٹتا ہے۔ اس معرکۂ شقحب کے روحِ رواں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہوتے ہیں!

یوں بلا مبالغہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شام اور خصوصاً فلسطین وہ ارضِ رباط ہے جہاں تاریخ اسلام کے پر آشوب ترین دور میں، ایک صدی کے اندر اندر، عالم اسلام پر چڑھ آنے والی دو بدترین کافر افواج کے گھٹنے لگے: ایک یورپ کے قلب سے اٹھنے والا صلیبی طوفان اور دوسرا صحرائے گوبی سے اٹھنے والا تا تاری ٹڈی دل۔ دونوں 'جہادِ شام' کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوئے اور یوں یہی خطہ پورے عالم اسلام میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دینے کا منبع بنا!

تاریخ اگر اپنا آپ دہراتی ہے تو کیا معرکۂ کفر و اسلام کا حالیہ ڈراپ سین بھی کہیں ارضِ فلسطین میں اور موجودہ دور کی جہادی تحریکوں کے ہاتھوں تو نہیں ہونے والا!؟ تاریخ انسانی کے دو نہایت عظیم شر، صیہونیت اور صلیبیت جو عالم اسلام کے خلاف صدیوں کا بغض پال کر ایک خاص تیاری اور خاص ایجنڈے کے ساتھ اس بار آئے ہیں...... اس عالمی مملکتِ کفر کے خاتمہ کے سلسلہ میں کیا یہی 'ارضِ رباط' پھر سے کسی خدائی تدبیر کے ظہور میں آنے کیلئے ''میدان'' بننے والی تو نہیں، بلکہ بن نہیں چکی!؟ جس

کے نتیجہ میں قدسیوں کی لازوال مملکت، ایک وقتی تعطل کے بعد، ہر بار کی طرح ایک بار پھر اپنی تاریخی شان وشوکت کے ساتھ بحال ہو جائے اور صدیوں تک کے لئے اسلام کے قلعے یہاں پھر سے ناقابلِ تسخیر ہو جائیں؟!

کیا مسجدِ اقصیٰ کے نمازیوں پر گزرنے والی ایک طویل صبر آزما آفت، عالم اسلام کے حق میں ایک نئے حسین دور کا پیش خیمہ بننے والی تو نہیں؟! کیا آج بیت المقدس کے معصوم ہاتھوں میں پکڑے ہوئے پتھر عالمی ساہوکاری نظام پر بجلیاں بن کر گرنے والے تو نہیں!؟

آخر کیا بعید......!!!

☆☆☆☆☆

چنانچہ شام کے عمومی مناقب کا معاملہ ہو تو 'فلسطین' ان میں برابر کا حصہ دار ہے۔ البتہ خطۂ بیت المقدس الگ سے جو فضائل اور مناقب رکھتا ہے وہ اس کا اپنا خاصہ ہے، جن کی رو سے مکہ اور مدینہ کے بعد مسلمانوں کا کوئی مقدس ترین مقام ہے تو وہ بیت المقدس ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر مسلمانوں کے ہاں ہرگز کوئی دورائے نہیں، امتِ اسلام کے ہاں بیت المقدس کو یہ مقام بالاتفاق حاصل ہے۔

☆☆☆☆☆

چونکہ آج وہ دور ہے کہ بین الاقوامی صحافت سے لے کر رائج العام تصورات تک ہر جگہ کسی جہانی مسئلے یا کسی بین الاقوامی تنازعے کا 'اسرائیلی ورژن' چلتا ہے، ہمارے بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقوں کے ہاں مغربی مصادرِ دانش سے متاثر ہونے کے باعث اُنہی کے پھیلائے ہوئے خیالات دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں، اور پھر جبکہ فلسطین اور بیت المقدس کا مسئلہ تو مغرب اور عالم اسلام کے مابین پائے جانے والے حالیہ تنازعات میں 'ام المسائل' کا درجہ رکھتا ہے، 'امنِ عالم' کے بہت سے لاینحل عقدوں کی جڑ درحقیقت یہیں پر پائی جاتی ہے، بلکہ عالم اسلام کی کئی اور جنگیں ایک معنیٰ میں اسی

جنگ کی پیدا کردہ ہیں؛ ایشیا تا افریقہ مسلمانوں پر آج جو جنگیں مسلط کی جا رہی ہیں ان کے پیچھے بڑی حد تک یہی مقصد کارفرما ہے کہ ارضِ مقدس میں یہودی مفادات کو کسی طرح محفوظ بنا دیا جائے...... لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ارضِ فلسطین پر 'یہودی حق' کا ڈھکوسلہ ہمارے سامنے واضح ہو جائے۔ اس کیلئے ہمیں فلسطین کی ماقبل اسلام تاریخ کے ادوار میں بھی کچھ دیر کیلئے جانا پڑے تو یہ حرج کی بات نہیں۔

فلسطین پر 'یہودی حق' کا دعویٰ یا تو 'مذہبی' بنیاد پر ہو سکتا ہے اور یا پھر 'قومی و تاریخی' بنیاد پر۔ آج 'اقوام متحدہ' کے دور میں 'مذہب' کو بنیاد بنا کر کسی سرزمین پر دعویٰ کرنا اور ہنستے بستے باشندوں کو وہاں سے اٹھا کر چلتا کرنا دنیا کے پڑھے لکھوں کے ہاں کہاں تک ایک 'معقول حرکت' کہی جانے کے قابل ہے محتاجِ بیان نہیں۔ پھر بھی ہم وہ امت ہیں جو کسی مسئلہ کی 'دینی' بنیادوں کو، اگر وہ حق ہوں، سب سے پہلے تسلیم کرنے والے ہیں۔ زمین اللہ کی ہے اور وہ جسے چاہے اس کا وارث بنا دے۔ البتہ ہم ہی وہ امت ہیں جو یہود کی مذہبی جعلسازیوں کا پول کھول دینے کیلئے بھی پوری پوری قدرت اور اہلیت اور مستند علمی مصادر اپنے پاس رکھتے ہیں، اور اس پہلو سے بھی ہم ہی دنیا کو وہ حقیقت منکشف کر کے دے سکتے ہیں جسے یہود کی کذب بیانی نے تحریف زدہ کر کے، پچھلی ایک صدی سے، امنِ عالم کو تہس نہس کر دینے کی بنیاد بنا رکھا ہے۔ حق یہ ہے 'فلسطینی مسلمان' کے ہوتے ہوئے ارضِ قدس پر یہود نہ تو کوئی 'مذہبی' حق رکھتے ہیں اور نہ 'قومی و تاریخی'۔

سیکولر دنیا کی بابت سمجھا جاتا ہے کہ وہ 'قومی و تاریخی' حق کو ہی اقوام کے 'دعوائے زمین' کی بابت درخورِ اعتنا سمجھتی ہے، لہٰذا ہم بھی مسئلۂ فلسطین کے قومی و تاریخی پہلو پر ہی پہلے کچھ بات کریں گے، اس کے بعد یہود کے مذہبی دعویٰ کو بھی روشنی تلے لائیں گے۔

☆☆☆☆☆

دس ہزار سال قبل مسیح میں فلسطین یقیناً ایک بستا ہوا ملک تھا، مگر یہ ماقبل تاریخ' دور اپنی تفصیلات کے معاملہ میں آج نامعلوم ہے۔ دس ہزار سال قبل مسیح کے بعد ادوار کو نطوفی Natufian تہذیب کا دور کہا جاتا ہے مگر 'نطوفیوں' کی اصل کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ یہاں اریحا کا تاریخی شہر جو ایک اندازے کے مطابق نو ہزار سال پرانا ہے، اسی تہذیب کے نشانات میں شمار ہوتا ہے۔

کوئی پانچ ہزار سال کے لگ بھگ کی بابت یہ البتہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جزیرۂ عرب سے وقفے وقفے کے ساتھ بہت سے انسانی مجموعے فلسطین کے زرخیز خطوں کی جانب نقل مکانی کر آئے تھے۔ جزیرۂ عرب کے یہ مختلف النسب گروہ، جن میں سامی نسل کے قبائل بھی تھے اور کنعان بن حام کی نسل سے بھی، عمومی طور پر ایک ہی نام سے جانے گئے۔ یا پھر اس پورے دور کو ہی کنعانی دور کہا گیا۔ اس لحاظ سے اس خطہ کے ساتھ عربوں کا تعلق تب سے ہے جب سے تاریخ، انسانی وثائق کا حصہ بننے لگی۔ بائبل کا صحیفہ 'پیدائش' جگہ جگہ ارضِ فلسطین کو کنعانیوں کا ملک مانتا ہے، جہاں پر اسحاق اور پھر یعقوب علیہما السلام کو رہنے کیلئے کچھ زمین میسر آئی۔ خود اسرائیلی، زبان، ثقافت اور رہن سہن کے لحاظ سے 'کنعانیوں' کے رنگ میں رنگے گئے۔ کنعانیوں نے اس ملک میں 119 شہر قائم کئے، گویہ واضح ہے کہ کنعانی تہذیب نے بابلی، آرامی، اور فینیقی تہذیب سے بہت کچھ لیا اور اس پر بہت کچھ اضافہ کیا۔

کنعانیوں کے علاوہ یہاں مصریوں نے بے شمار نشانات چھوڑے ہیں۔ بارہ سو سال قبل مسیح یہاں جزیرۂ کریٹ سے فلستی قوم آتی ہے اور غزہ کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ بسنے لگتی ہے۔ بعد ازاں دیگر کئی ایک شہروں میں پھیل جاتی ہے۔ کچھ ہی دیر بعد، یہ بھی کنعانی ثقافت کا ہی حصہ بن جاتی ہے۔ فلستیوں کے آنے سے یہ خطہ اور بھی ترقی کرتا ہے۔

اسی دوران ہی یہاں 'عبرانیوں' کا ایک نہایت چھوٹا خانوادہ آتا ہے۔ بنی اسرائیل کی کل بارہ فیملیاں۔ بلکہ یوسف علیہ السلام کا بیاہ مصر میں جا کر ہوتا ہے۔

تب یہ پورا گھرانہ مصر جا بیٹھتا ہے۔ 'زمین کے مالک' جو ہوتے ہیں وہ اس کو چھوڑ کر نہیں جاتے!

انکے ہاں کسی وقت کہا جاتا ہے یہ مصر سے صرف اَسی سال بعد موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں فلسطین لوٹ آئے تھے۔ دوسری جانب کہتے ہیں، یہ واپس آئے تو چھ لاکھ تھے بلکہ مرد مرد چھ لاکھ سے اوپر تھے! 80 سال میں 'بارہ گھرانے' لاکھوں کو نہیں پہنچتے! یہ صدیوں مصر میں رہے۔ جب تک حقیقتِ اسلام پر قائم رہے تھوڑے ہوتے ہوئے مصر پر حکمران رہے، پھر زیادہ ہو کر غلام ہوئے؛ ان کو یہ بتانے کیلئے کہ ان کا دعویٰ قومی نہیں ہوسکتا بلکہ ان کی سب خیر خدا اور اس کے نبیوں کے ساتھ وفاداری اپنا رکھنے میں ہے۔

یہ تمام تر عرصہ فلسطین البتہ فلسطینیوں سے بسا رہتا ہے!

اب واپس آتے ہیں تو نہایت مختصر عرصہ فلسطین کے چند شہروں پر حاکم رہ لینے کے بعد مقامی باشندوں کے ہاتھوں یہ پھر بے گھر کر دیے جاتے ہیں، ان کو بتانے کیلئے کہ مسئلہ 'قومی حق' کا ہے اور نہ 'زورِ بازو' کا، بلکہ خدائی مشن پورا کرنے کا ہے۔ در بدر پھرتے، تا آنکہ طالوت کے زمانے میں ان کے دن پھرتے ہیں اور خدا کے دو نبیوں داودؑ اور سلیمانؑ کا ساتھ دے کر یہ ایک عرصہ کیلئے پھر آبرومند ہوتے ہیں۔ فلسطین کے اطراف واکناف میں اس قوم کا ڈنکا بجتا ہے تو صرف خدا کے ان دو نبیوں کے زمانے میں، جو کہ لگ بھگ 1000ء تا 850ء قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے رخصت ہو جانے کے بعد اس کا شیرازہ پھر بکھرنے لگتا ہے۔ ان کی مملکت دو حصوں میں بٹتی ہے۔ یہودہ اور اسرائیل۔ یہ وہ زمانہ ہے جب یہی قوم جو یہاں حق کے قیام کیلئے برپا کی گئی تھی، تاریخ کا بدترین فساد برپا کرتی ہے۔ تا آنکہ چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کا شہنشاہ بخت نصر ان پر تاریخ کی بدترین تباہی لاتا ہے۔ یہ بھاری تعداد میں ذلت کی موت مرتے ہیں اور باقی کے لوگ اسیر ہو کر بابل لے جائے جاتے ہیں، کہ قبطیوں کی بجائے اب بابلیوں کو 'غلاموں' کی ضرورت تھی!

فلسطین پھر اپنے باشندوں کے ساتھ آباد رہ جاتا ہے! تا آنکہ 539 قم میں فارسی شہنشاہ سائرس ان کے لئے پروانۂ آزادی جاری کرتا ہے اور ان کو فلسطین لوٹنے کی اجازت مرحمت فرماتا ہے۔ رہا یہ خطہ تو اس پر فارسی شہنشاہت، اور بعد ازاں 330 قم میں یہاں پر سکندر اعظم کا اقتدار قائم ہو جاتا ہے۔ تا آنکہ 63 قم میں یہاں رومیوں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اس سارا عرصہ البتہ اس کے باشندے وہی رہتے ہیں جو ہمیشہ سے تھے۔ اسرائیلیوں کے نکلنے سے یہ علاقہ کبھی خالی ہوا اور نہ ان کے یہاں سکونت اختیار کر جانے سے کبھی آبادیوں کے گنجان ہو جانے کی شکایت ہوئی!

چڑھتے سورج کے پجاری، یہودیوں سے رومیوں کی جتنی کاسہ لیسی ہو سکتی ہے اتنی کرتے ہیں۔ زکریا اور یحیٰ علیہما السلام ایسے انبیاء کو قتل کرتے ہیں بلکہ اپنے تئیں عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرتے ہیں۔ تا آنکہ ان کا فساد حد سے بڑھ جاتا ہے تو خدا کا کرنا رومی بھی ان پر غضبناک ہو جاتے ہیں۔ 77ء میں رومی بادشاہ ٹیٹس ان پر خدا کے قہر کا کوڑا ثابت ہوتا ہے۔ رومی جی بھر کر یہودیوں کا قتل عام کرتے ہیں۔ مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔ تب سے آج تک فلسطین میں یہودی نہیں ملتے۔ دو ہزار سال سے در بدر پھرتے ہیں۔ جبکہ فلسطین مسلسل اپنے باشندوں سے آباد رہتا ہے۔

تا آنکہ تین صدی بعد رومن خود بھی عیسائی ہو جاتے ہیں، جو کہ یہودیوں پر نئی آفت لے آنے کا ایک خوفناک پیش خیمہ بنتا ہے۔ عیسائیوں کے لئے مسیح علیہ السلام نبی نہیں بلکہ خدائی کا مرتبہ رکھتے تھے۔ اتنی بڑی اور بے دید اور طاقتور قوم کے 'خدا' کو مارنے والی قوم کیونکر اس کے قہر سے بچ رہ سکتی تھی؟! یہود کیلئے دنیا بھر میں کہیں پر چھپ کر بیٹھنا اب تو بالکل ہی دوبھر ہو گیا تھا۔ 'ارضِ میعاد' کو بھلا اب کون یاد رکھتا!؟

پس واضح رہے، ان کی در بدری نبوت محمدیؐ کے دور سے شروع نہیں ہوئی۔ نہ ہی مسلمان اس نام نہاد 'سامی دشمنی' سے کسی بھی دور کے اندر واقف رہے تھے۔ ہٹلر صرف

آج جا کر بدنام ہوا، یورپی اقوام کی جب سے مسیحیت کے ساتھ نسبت ہوئی یہود کیلئے اسی دن سے قیامت کھڑی ہوئی رہی ہے۔ عالم عیسائیت کی یہودیوں پر یہ 'کرم فرمائی' بیسویں صدی تک جاری رہی۔ جو فرق اس وقت دیکھنے میں آ رہا ہے اس 'چولی دامن' کی تاریخ چند عشروں سے زیادہ نہیں۔

غرض دورِ مسیح سے اِن کا پودا یہاں سے اکھاڑا گیا اور اس کو دوبارہ یہاں لگنا پھر کبھی نصیب نہ ہوا۔

بعض تاریخ دانوں نے حساب لگایا ہے، یہودیوں کا فلسطین میں کلی اور زیادہ تر جزوی اقتدار ملا جلا کر چار سو سال سے زیادہ نہیں بنتا۔ البتہ اب دو ہزار سال سے یہ مسلسل زمانے بھر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ آج جا کر 'جمہوریت' اور 'آزادی' کے اس دور میں یہ برطانیہ کے کندھوں پر سوار ہو کر فلسطین آتے ہیں اور برطانوی حمایت اور بندوق کے زور پر ایک ہنستی بستی، صدیوں سے آباد قوم سے، اپنے 'آباء کی جاگیر' کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں! ملک کے باشندوں کو خیمہ بستیوں میں ٹھونس دیتے ہیں اور ایک بڑی تعداد کو جلاوطن ہو جانے پر مجبور کر دیتے ہیں! یورپ اور امریکہ 'ارضِ میعاد' میں اس یہودی درندگی پر تالیاں پیٹتے ہیں، ان کیلئے اسلحہ اور دولت کی بوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں، اقوام متحدہ کے ایوانوں میں اس ناجائز بچے کو ہر جگہ انگلی سے لگائے پھرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح عالمی برادری اس سے مانوس ہو جائے اور اس کو 'تسلیم' بھی کر لے! فلسطینیوں پر یہ جتنا ظلم ڈھا لے کبھی ٹس سے مس نہ ہوں گے، جس وقت البتہ اِس 'منظورِ نظر' کیلئے خطہ میں کوئی مسئلہ بنتا نظر آئے تو 'قیامِ امن' کیلئے بھاگے چلے آئیں گے۔

یہ دو ہزار سال تک ملک ملک کی خاک چھانتے رہے۔ جبکہ فلسطین کے باشندوں نے ایک دن کیلئے اپنا ملک نہیں چھوڑا۔ فلسطین میں بسنے والی اقوام ان سے پہلے سے یہاں آباد ہیں اور اس سارا عرصہ یہیں رہتی رہی ہیں۔ بیس صدیاں پیشتر

یہودیوں کو یہاں سے نکالا گیا تھا تو اس وقت بھی یہ پاپ 'فلسطینیوں' نے نہیں کیا تھا کہ اس کی سزا ان کو خیمہ بستیوں اور بے خانمائیوں کی صورت میں آج جا کر دی جائے۔ بیس صدیاں پہلے یورپ کے رومنوں نے ان کو یہاں سے بھگایا تھا اور اب بیس صدیاں بعد یورپ کے انگریزوں نے ان کو یہاں لا بسایا۔ صدیوں کے یہ طفیلی parasites یوں جا کر انگریز کے طفیل ایک بستے بساتے ملک کے 'وارث' ہوئے اور ملک کے اپنے باشندے در بدر! اقوام متحدہ کے انسانی قواعد کی رو سے یہ وہاں کے رکھوالے البتہ وہ جو صدیوں سے اس گھر کے مالک رہے وہ اب 'باغی' اور 'دہشت گرد' اور 'امن کیلئے خطرہ'!

برطانیہ بہادر جو آئرش باشندوں کو ان کا اپنا گھر اور ان کے اپنے باپ کی جاگیر واپس کرنے پر کبھی تیار نہ ہوا تھا، کس دریادلی کے ساتھ فلسطینیوں کے ملک پر پولینڈ، جرمن، آسٹریا اور بیلجئم کے یہودیوں کا حق تسلیم کر رہا تھا! بالفور ڈکلیریشن کی رو سے ملکۂ برطانیہ سرزمین فلسطین پر یہودیوں کے حقِ واپسی کو کس 'احترام اور ہمدردی' کی نگاہ سے دیکھتی تھیں! یہی 'ہمدردی' کی نظر عالمی توازنِ طاقت کے ساتھ ہی پھر برطانوی تاج سے امریکی انتظامیہ کو منتقل ہو جاتی ہے۔ 'آباء کی قبریں' اگر ایسی ہی کوئی دلیل ہے تو اس سے کہیں واضح حق تو پھر امریکہ پر ریڈ انڈینز کا بنتا ہے، جن کا وہاں سے ایک بڑی سطح پر اور نہایت بے رحمی کے ساتھ اور وہ بھی امریکیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوئے ابھی چند صدیوں سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور جو کہ ہزاروں سال تک اس ملک کے بلا شرکت غیرے مالک رہے تھے۔ کیا امریکی جو فلسطین پر اسرائیل کا 'آبائی حق' مانتے ہیں، خود اپنے ملک پر ریڈ انڈینز کا یہ حق بھی تسلیم کریں گے؟! اور کیا اندلس پر عربوں کا یہ حق بھی مان لیں گے، جنہیں یہاں سے نہایت ظلم اور ناانصافی کے ساتھ بے دخل ہوئے ابھی صرف پانچ سو سال ہوئے ہیں؟!

☆☆☆☆☆

اب آیئے مسئلہ کے 'مذہبی' پہلو کی جانب......

عرب عمومی طور پر اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں، جس کیلئے اصطلاحی طور پر 'عرب مستعربہ' کا لفظ مستعمل ہے۔ اسرائیلؑ (یعقوب علیہ السلام کا لقب) سام کی نسل سے ہیں تو اسماعیلؑ بھی سام ہی کی نسل سے ہیں۔ ابراہیمؑ کے حق کی بات ہے یا سامی تخم میں اگر کوئی خاص فضیلت پائی جاتی ہے تو وہ دونوں جانب برابر ہے۔ فلسطین میں آباد عربوں کی ایک بڑی تعداد اسماعیلؑ سے ہی منسوب ہے اور اس کے علاوہ وہ کسی اور نسبت سے واقف نہیں۔ مگر یہاں اگر کوئی دوسری اجناس بھی ہیں جو ابراہیمؑ کا تخم نہیں تو آج وہ ابراہیمؑ کے دین پر ہیں! ابراہیمؑ بہر حال ایک سمت اور ایک راستہ تھا: إن إبراهيم كان أمة!!!

بعثت محمدیؐ کے ساتھ ارض فلسطین کے اندر، بلکہ دنیا کے ایک بڑے خطے کے اندر، ایک نہایت عظیم الشان فرق رونما ہو چکا تھا۔ فلسطین کے کنعانی، عیلامی، فلستی وغیرہ وغیرہ سب کی سب بت پرست اقوام تھیں، جن کے بالمقابل، قبل مسیح ادوار میں، بنی اسرائیل کو انبیاء کی معیت حاصل رہی تھی، اور اسی وجہ سے نصرت خداوندی کا استحقاق بھی۔ محمد ﷺ کہ رحمۃ للعالمین تھے، ان کنعانیوں، عیلامیوں، آرامیوں، فلستیوں، فینیقیوں اور موآبیوں سب کے لئے ذریعۂ ہدایت بن گئے اور یہ سب کی سب اقوام دین توحید کی علمبردار بنیں۔ پورا فلسطین ہمیشہ کیلئے اب اذانوں کا دیس تھا جہاں سب کے سب بت خانے ان اقوام کے اپنے ہاتھوں توڑ دیے گئے اور ان سب اقوام کو مسجد اقصیٰ میں قدم سے قدم ملا کر خدائے واحد کی بندگی کرنا اور ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سمیت سب کے سب انبیاء کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ لینا نصیب ہوا۔ دور محمدیؐ، تاریخ کا جدید ترین عہد تھا جس کے حقائق ہی سراسر اور تھے، جبکہ یہ ظالم اسی بند ذہنی کے اسیر!!!

کس قدر ترس آتا ہے امریکہ میں جگہ جگہ بائبل کے اسٹڈی سرکلوں میں شرکت کیلئے آئے ہوئے 'خردمندوں' پر، جب وہ فلسطین کے حوالے سے 'اسرائیلیوں'

اور 'کنعانیوں' کو آج بھی اُسی سیاق میں پڑھ رہے ہوتے ہیں جس سیاق میں کبھی انبیاء کے صحیفوں میں یہ باتیں بیان ہوئی ہوں گی! دنیا کہاں سے کہاں چلی گئی، اور یہ جہاں تھے وہیں کھڑے ہیں! صرف یہودی نہیں بلکہ آج کے بنیاد پرست عیسائی بھی۔ یہ ابھی تک دنیا کو اسی یہودی آنکھ سے دیکھنے پر مصر ہیں جب فلسطین کے اندر 'غیر اسرائیلی' کا لفظ 'کافر' اور 'بت پرست' کا ہی مترادف ہوا کرتا تھا! امریکہ اور یورپ کے یہ سب بھلے مانس تاریخ کے اس 'میوزیم' سے حقائق کی دنیا میں نکل آنے کیلئے تیار ہی نہیں۔ یہ نبوتِ محمدؐ کا زمانہ ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو سہی، باہر کتنا بڑا سورج نکل آیا ہے! فلسطین تو سارے کا سارا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہے اور ابراہیم، یعقوب، یوسف، موسیٰ، داود اور عیسیٰ علیہم السلام اور محمد ﷺ پر دل و جان سے فدا ہوتا ہے۔ اسی لئے تو خدا نے اقصیٰ والی انبیاء کی تاریخی جائے نماز پچھلے ڈیڑھ ہزار سال سے ان کے سپرد کر رکھی ہے۔ فلسطین کے نگر نگر، ڈیڑھ ہزار سال سے اذان اور تکبیراتِ خداوندی ہی کی صدا بلند ہوتی ہے۔ یہاں کا ہر ہر محلّہ ہر چند ساعت بعد صفیں باندھ کر خدائے واحد کو پوجتا اور دن میں پانچ بار ابراہیمؑ کے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ انبیاء کی یہاں اب وہ عزت ہوتی ہے کہ دلوں میں بستے ہیں۔ ایک ایک کیلئے 'علیہ السلام' سے کم کوئی لقب نہیں۔ ہر ہر نبی کیلئے پورے فلسطین کی زبان پر درود اور تسلیمات! یہاں 'اسرائیلیوں' کے سوا اب 'کافر' کہاں !!!!؟

کل کے بت پرست کنعانی آج کے موحد، مومن، فرماں بردار، انبیاء کے پیروکار، مسجد اقصیٰ کے نمازی، قرآن کے قاری.. اور کل جو انبیاء کے نسبت یافتگان رہے تھے وہ آج انبیاء کے کافر، مسیحؑ کے منکر، محمد ﷺ کے گستاخ، خدا کے دشمن، متکبر، گھمنڈی، حیلہ باز اور مفسدین فی الارض!

خدا کہ ''حق'' اور ''عدل'' نام رکھتا ہے، 'ایمان' اور 'اعمال' کو دیکھے یا 'نسلی تعلق' کو؟؟؟!!

حق یہ ہے کہ یہود دنیا کے اندر نسل پرستی کے بانی ہیں۔ آپ ان کے دعوے دیکھیں، ان کی ذہنیت کا جائزہ لیں، اور خصوصاً کبھی ان کی تلمود پڑھیں، تو معاذ اللہ یہ خدا کو بھی اسی نسل پرستی کے مذہب پر سمجھتے ہیں!

ان کے ہاں ٹیپ کا مصرعہ ہے کہ خدا نے یعقوب علیہ السلام کو سرزمین قدس دے ڈالی تھی۔ مگر ان کی اپنی روایات سے ثابت ہے اور تاریخ اس پر گواہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام خدا سے سرزمین قدس لے کر مصر نقل مکانی کر گئے تھے! وہیں پر فوت ہوئے اور وہیں پر نسلیں چھوڑیں۔ اس کا یہ جو بھی جواب دیں مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوگا کہ خدا کا یہ وعدہ کسی خاص وقت اور خاص شروط اور حدود سے مقید تھا، اور یہی ہم مسلمانوں کا موقف ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کچھ خاص قیود اور حدود کے اندر خدا نے مومنینِ بنی اسرائیل سے قدس کی پاک سرزمین میں تمکین کا وعدہ فرمایا تھا۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے متصل بعد یوشع بن نون کے دور میں اور پھر داود و سلیمان علیہما السلام کے دور میں اور ان کے مابین اور ان کے بعد کے کچھ جزوی ادوار میں کہ جب انہوں نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا، خدا اپنا یہ عہد پورا کرتا رہا۔ گو یہ خدا کے ساتھ بار بار عہد شکنی کرتے رہے اور خدا ان کی نصرت سے دستکش ہو کر بار بار ان کو خبردار کرتا رہا کہ 'نسلی برتری' اس کے دین میں نہیں۔ آخر یہ خدا کے آخری انبیاء کے ساتھ سیدھا سیدھا کفر کر لینے کے بعد ہمیشہ کیلئے راندۂ درگاہ ٹھہرے۔ تب سے یہ دنیا میں ذلت اور عبرت کا نشان ہیں نہ کہ کسی خدائی عہد کا ثبوت!

ادوارِ ماضی میں خدا سے اِن کو کچھ قربت تھی تو وہ اس حقیقت کے دم سے کہ یہ انبیاء کے مومن جبکہ باشندگانِ فلسطین خدا اور نبیوں کے منکر بت پرست۔ مگر خدا کی آیات کو جھٹلانے اور نبیوں کا خون کرنے کے مجرم ہو کر، اور پھر خصوصا عیسیٰ بن مریمؑ اور پھر خاص طور پر محمد ﷺ کے ساتھ کفر کر لینے کے بعد، کونسا خدائی عہد اور کونسا وعدۂ زمین؟! سوائے ایک عہد کے کہ یہاں دنیا میں ذلت کے جوتے اور آخرت میں عذابِ الیم!!!

جبکہ وہ جن کے کفر کے مقابلے پر کبھی یہ ایمان اور خدا آشنائی کی برتری رکھتے تھے.. ان کے مقابلے پر اپنی نسل پرستی اور 'امیوں' سے حسد کے سبب، نہ صرف یہ اپنی اس دولتِ امتیاز سے محروم کر دیے گئے بلکہ وہ ''دولتِ ایمان'' ہی نہایت وافر صورت میں ان 'امیوں' کو مل گئی جو زمانے بھر میں اب خدا کے نام کی پاسبانی کرتے ہیں اور خدا کی توحید اور خدا کی تعظیم اور کبریائی کیلئے ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا کے اندر برسرِ جہاد ہیں، براعظموں کے براعظم بتوں کی پلیدی سے پاک کر دینے کے کامیاب مشن پر ہیں اور جہان کے اندر نہایت اعلیٰ قدریں قائم کرنے کا امتیاز رکھتے ہیں!!!

وہ تو خدا ہے، زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے اور مردہ سے زندہ کو! سارا فضل اسی کے پاس ہے، اور وہ بے نیاز جس کو چاہے بخشے!!! نبوت محمدؐ کی صورت، زمین پر یہ خیرات بے حد وحساب بانٹی گئی اور زمانوں کے بے نور صدیوں کے لق ودق لمحوں میں روشن اور شاداب ہوئے! اور تو اور، کیا کوئی یقین کرسکتا ہے ہند کے سومناتوں میں بستے ہوئے ہمارے مقدر جاگے!!!.. پر اس بدقسمتی پر کیا کہیے، اس بے مثال باران رحمت کا وقت آیا تو صدیوں کے واقف، کبر کے بھرے دل اس کا کوئی اثر قبول کرنے سے انکار کر گئے اور چٹیل کے چٹیل رہنے پر ہی مصر ہوئے! یہاں سے زمانہ بالکل ہی ایک نیا موڑ مڑ گیا، پیچھے رہنے والے ہمیشہ کیلئے پیچھے رہ گئے اور دنیا میں 'نئی حقیقتیں' پورے زور اور قوت سے راج کرنے لگیں!

سورۂ بقرۃ میں بنی اسرائیل کا قصہ شروع کرنے سے پہلے خدا نے ابلیس کا قصہ سنایا؛ حسد، تکبر، خود پسندی، کفر، ہٹ دھرمی اور خدا کے فیصلے پر معترض ہونے کا انجام نہایت عبرت ناک ہے۔ توبہ کے دروازے تک بند ہو جاتے ہیں! معاذ اللہ، خدا سے ٹھن جائے تو مخلوق سے بیر کیا بڑی بات ہے! اور اگر ایسے بغض بھرے کو فساد فی الارض کیلئے کسی وقت 'چھوٹ' دے دی جائے تو زمین میں رہنے والوں کو کیا کچھ دیکھنے کیلئے تیار رہنا

چاہیے، سورہ بقرہ تا مائدہ پڑھ لیجئے اور بتایئے اس شر سے خبر دار کر دینے کے معاملہ میں کونسی بات ذکر ہو جانے سے رہ گئی ہے!؟ دنیا ''ہدایت'' کیلئے قرآن نہیں پڑھتی تو بھی 'بقائے عالم' کیلئے مخلص طبقے اس شر سے آگاہ ہونے کے معاملہ میں آخری آسمانی دستاویز سے کبھی مستغنی نہ ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

ارضِ مقدس پر یہود کے 'آبائی حق' کے ضمن میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے، جو کہ اپنی جگہ بے انتہا اہم ہے، کہ آج دنیا میں جو یہودی پائے جاتے ہیں ان میں 'بنی اسرائیل' کے یہود ایک نہایت چھوٹی اقلیت جانے جاتے ہیں اور قیادت کے منصب پر بھی قریب قریب کہیں فائز نہیں۔ آج کے یہود کی اکثریت اشکنازی Ashkenazi کہلاتی ہے جن کے آباء خزر Khazarians ہیں۔ انہی کو 'کوکیشین' Caucasians بھی کہتے ہیں (قوقاز سے نسبت کے باعث)۔

یہ نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں والی گوری اقوام ہیں جو کبھی بحیرہ خزر کے مغربی جانب خطۂ قوقاز میں آباد تھیں اور کوئی دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی (چوتھی اور پانچویں صدی ہجری) میں جا کر داخلِ یہودیت ہوئیں، بعد ازاں یہ ہنگری، پولینڈ اور ماسکو میں جا کر بیٹھیں، اور پھر رفتہ رفتہ پورے یورپ میں پھیل گئیں اور ہر جگہ میڈیا، معیشت اور سیاست کے جوڑ توڑ پر اجارہ قائم کر لینے کی حیرت انگیز استعداد دکھانے لگیں۔ ان کو کوئی ایسی شیطانی قوت حاصل تھی کہ جہاں گئے وہیں پر پتلیاں نچانے لگے۔ علاوہ ازیں، دنیا کے ملحد ترین مفکر اور فلسفی اِنہی نے پیدا کئے۔ چونکہ یہ اقوام زیادہ تر اور خاصا طویل عرصہ پولینڈ میں رہی تھیں اس لئے کسی وقت Jews of Poland بول کر بھی یہ سب کی سب اقوام مراد لے لی جاتی ہیں۔ بہرحال یہودیوں کے اندر نسلی طور پر یہ بالکل ایک نیا عنصر ہے۔ یہودیت پر آج یہی گوری اقوام حاوی ہیں۔ دنیا کے اندر پائے جانے والے آج کے یہودیوں میں 80 فیصد یہود، اشکنازی

(گورے یہودی) ہیں اور یہود کی باقی سب کی سب اجناس ملا کر صرف 20 فیصد۔ باقی دنیا کی طرح بنی یعقوبؑ بھی جو کہ تاریخی طور پر اصل یہود ہیں، انہی اشکنازی (غیر بنی اسرائیلی) یہودیوں کے محکوم ہیں۔ اکثریت بھی یہود کے اندر آج انہی کی ہے اور زور اور اقتدار بھی۔ اسرائیلی قیادت ہو یا امریکہ اور یورپ میں بیٹھی ہوئی یہودی لابیاں 'بنی اسرائیل' کا یہودی کہیں خال خال ہی ان کے مابین نظر آئے گا۔

یہاں سے یہ معاملہ اور بھی دلچسپ ہو جاتا ہے۔ 'گورے یہودیوں' (جو کہ آج اِن میں کی اکثریت ہے) کا ابراہیمؑ کے نطفہ سے دور نزدیک کا کوئی تعلق نہیں، 'سامی' نسل سے اِن کا کوئی واسطہ نہیں مگر 'سامی' نسلیت کی سب ٹھیکیداری اور 'سامیت' کے جملہ حقوق یورپ اور امریکہ میں اِنہی کے نام محفوظ ہیں! کوئی اِن یہود کے خلاف ایک لفظ تو بولے 'سام دشمنی' Anti-Semitism کے الزامات کی لٹھ لے کر یہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، حتیٰ کہ کسی وقت عدالت کے کٹہروں میں کھڑا کر لیتے ہیں۔ ہارورڈ ایسی جامعات سے لوگوں کو اس بنا پر خارج کروا دینے کے واقعات ہوئے ہیں۔ کسی کو ان کی حقیقت بیان کرنا ہی ہو تو بہت گھما پھرا کر بات کہنا ہوتی ہے تاکہ Anti-Semitism کے 'خطرناک' دائرے میں نہ آنے پائے!

آج کے دور کی سب سے بڑی جعلسازی اور نوسر بازی شاید اسی کو کہا جائے گا۔ پولینڈ، بلغاریا، ہنگری اور آسٹریا سے آئی ہوئی، تل ابیب کے عریاں ساحلوں پر پھرتی نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں والی بکینی پوش گوریاں، جو ثقافتی ہی نہیں نسلی لحاظ سے بھی قطعی اور یقینی طور پر یورپ ہی کا پھیلاؤ ہیں اور یورپ ہی کی تلچھٹ، آج بیت المقدس پر ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کے نسب کا حق مانگ رہی ہیں!!! اور ان کے اس 'آبائی حق' کیلئے، یہاں صدیوں سے آباد، ابراہیم کے طریقے پر اقصیٰ میں خدا کی عبادت کرنے والوں کو، مسجد خالی کرنے کے نوٹس دیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ سرزمین مقدس پر 'کنعانیوں' کا نہیں 'اولادِ ابراہیمؑ' کا حق ہے!!!

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے! جھوٹ کے کوئی پیر ہوتے ہی نہیں! ان سب محاوروں کا آج ایک ہی بدل: 'میڈیا کی طاقت'!!!

اتنا بڑا جھوٹ کس آرام سے آج 'حقیقت' مانا جارہا ہے، بلکہ منوایا جارہا ہے، بلکہ جو نہ مانے اس کا 'خرد' اور 'دانش' سے تعلق تک مشکوک ٹھہرتا ہے!!! آخر بوالعجبی کی انتہا نہیں تو کیا ہے: پولینڈ کے گورے، ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی اولاد!!!؟

جو اس 'حقیقت' کا آج مذاق اڑائے وہ 'سام دشمن' اور 'نسل پرست'!!! امریکہ اور یورپ کی عدالتیں آخر کس لئے ہیں؟! یہ ہولوکوسٹ کا نشانہ بننے والے 'سامیوں' کو اتنا بھی تحفظ نہ دیں تو دنیا میں 'انصاف' اور 'مظلوم کی دادرسی' ایسے اصولوں کا تو بھرم ہی ختم ہو کر رہ جائے!

وائے ناکامی! امتِ اسلام کے 'خاموش' پایا جانے کی، دنیا کس کس طرح قیمت دے رہی ہے! زمین کے مختلف خطے کیونکر مسلم ضعیفی کا وبال بھگت رہے ہیں! دھرتی کا بوجھ کس قدر بڑھ گیا ہے! سچائی کس طرح پابجولاں ہے اور حقیقت کس طرح قید کر دی گئی ہے! اِس کی اپنی نسلیں داؤ پر لگ چکیں۔ مسجدیں، عبادت گاہیں دہائی دے رہی ہیں کہ 'مسلمان' آج خاموش ہے اور تماشائے عالم سے آخری حد تک روپوش!

انتفاضۂ فلسطین

امت کی امید،
بیت المقدس کی آبرو

'تاریخ میں 'مسلم عروج وزوال' کی داستان کا عنوان اگر 'بیت المقدس' ٹھہرا دیا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ دیکھا جائے تو 'بیت المقدس' ہماری دینی و دنیاوی حالت کو جانچنے کا ایک زبردست پیمانہ رہا ہے۔ مکہ اور مدینہ ہمیشہ کیلئے خدا نے ویسے ہی ہمیں دے رکھے ہیں۔ بدترین سے بدترین حالات میں بھی کبھی ان کے چھننے کا سوال پیدا نہیں ہوا اور نہ ان شاءاللہ کبھی ہوسکتا ہے، جو کہ خدا کا ہم پر بے حد بڑا فضل ہے۔ تاہم ہمارا تیسرا مقدس ترین مقام بیت المقدس، جس کے کئی دعویدار 'موقعہ' کی تاک میں رہتے ہیں، البتہ ایک خاص زورِ بازو کا ضرورت مند رہا ہے۔ یہ خطہ کبھی بھی مجاہدین سے خالی رہا اور نہ مجاہدین کبھی بھی اس سے دور! 'بیت المقدس' اور 'جہاد' کا شاید کوئی ازل کا ساتھ ہے! 'رباط' کے گھوڑے ہمیشہ ہی مسجدِ اقصیٰ کے کھونٹوں سے بندھے رہے! یہاں نماز پڑھنے کی ہمیشہ ایک 'قیمت' رہی ہے!

باوجود اس کے کہ، چند نہایت محدود وقفوں کو نکال کر، پچھلے ڈیڑھ ہزار سال سے بیت المقدس بھی ہمارے ہی پاس رہا ہے، جو کہ ہم پر خدا کا فضل ہے، پھر بھی بیت المقدس کو پاس رکھنے کیلئے اکثر سانس پھول جاتی رہی ہے اور اس کی قیمت تو ہمیں مسلسل دینا پڑی ہے۔ جب بھی دین اور دنیا کے معاملہ میں ہمارا گراف ایک خاص نقطے سے

نیچے گیا، بیت المقدس ہمارے ہاتھ سے چلا جانے کا سوال کھڑا ہو جاتا رہا۔ بہت بار یہ ہمارے ہاتھ سے جاتے جاتے بچا۔ دو یا تین بار چلا بھی گیا۔ جیسے ہی دین اور دنیا کے معاملہ میں ہمارا گراف بہتر ہوا بیت المقدس کا ہمیں واپس مل جانا پھر سے قریب دِکھنے لگا اور بالآخر ہمیں مل جاتا رہا۔

بیت المقدس کا ہمیں ملا رہنا شاید ہمیشہ اس سوال سے منسلک رہا ہے کہ صالح[1] بننے کی کوششیں اس امت کے اندر کس پائے کی ہو رہی ہیں!

---

(1) سورہ انبیاء میں وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ''بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ تحریر کر دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہی بنیں گے'' (آیت:105) مفسرین کی ایک قلیل تعداد نے اس آیت میں 'زمین' سے مراد ارض مقدس بھی لیا ہے۔ قرطبی نے ارض مقدسہ والی یہ تفسیر ابن عباسؓ سے بھی بیان کی ہے (قرطبی کے علاوہ دیکھئے سورۃ الانبیاء کی اس آیت کے ضمن میں تفسیر بغوی، آلوسی، النکت والعیون (تفسیر الماوردی)، بحر العلوم (تفسیر سمرقندی)، تفسیر ابو السعود، انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر بیضاوی) ودیگر کتب تفسیر)

خصوصا وہ لوگ جو اس آیت میں 'زبور' سے مراد 'عمومی معنیٰ میں 'آسمانی کتابیں' (جو کہ جمہور کا قول ہے) نہیں بلکہ خاص 'زبورِ داودؑ' ہی لیتے ہیں، وہ آیت میں مذکور 'ارض' کا اشارہ 'ارضِ مقدس' کی جانب پاتے ہیں۔ پھر جبکہ سورہ انبیاء میں ہی اس سے پہلے دو مرتبہ 'الأرض التي بارکنا فيها' کا لفظ بھی گزر چکا ہے۔

اس تفسیر کو اگر کسی درجے میں قابل غور مانا جائے (از راہِ اختلافِ تنوع) تو وقت کی آسمانی امت میں 'صالحیت' پر محنت ہونے کا اس امت کو ارض بیت المقدس ملی رہنے کے ساتھ ایک تعلق بنتا ہے۔ پھر تاریخ میں اس کے کچھ شواہد بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔ اسے اتفاق کہئے یا کیا، کہ پہلی بار بیت المقدس ہمیں واپس ملتا ہے تو اس جہادی عمل کی قیادت کرنے والی شخصیت کا لقب ابتدائے عمر سے ہی 'صلاح الدین' ہوتا ہے، جس کا لغوی مطلب ہے: دین اور فرماں برداری کا صالح ہونا! اسی مناسبت سے دورِ حاضر کے ایک عظیم عرب خطیب کا یہ جملہ مشہور ہو گیا ہے:

> 'بخدا، یہ بیت المقدس پہلی بار ہمیں واپس ملا تو صلاح الدین (دین کے صالح ہونے) کی بدولت۔ یہ اب بھی ہمیں نہ ملے گا جب تک ہم اپنے 'صلاحِ دین' ہی کا بندوبست نہ کر لیں!'

پہلی بار جب یہ ہم سے چھنا تو ہم پر ایک رافضی آندھی چھائی ہوئی تھی۔ عالم اسلام میں سنت مغلوب ہو چکی تھی۔ جہاد ایک بھولا ہوا سبق بن چکا تھا۔ بیت المقدس کے چھن جانے نے ہمیں پھر سے اپنی اصل بنیادیں یاد دلا دیں۔ امت اپنے علماء اور مجاہدین کے پیچھے کھڑی ہوئی اور چند عشروں میں بیت المقدس ہمیں واپس مل جانے کا 'معجزہ' رونما ہو گیا!

اِس بار یہ ہم سے چھنا تو ہم پر ایک سیکولر آندھی چھائی ہوئی تھی۔ خدا کو صرف 'عبادت خانوں' میں پوجنے کا فلسفہ رائجِ عام تصور بن گیا تھا۔ توحید قریب قریب روپوش ہو چکی تھی، یہاں تک کہ ایسے 'عبادت خانے' ہمارے یہاں وجود میں آ چکے تھے جن کے اندر 'مذہبی' معنوں میں بھی غیر اللہ کی پوجا ہوتی تھی! 'دین' مظاہر کا نام تھا اور وہ 'مظاہر' بھی بہت تھوڑے لوگوں کے ہاں باقی رہ گئے تھے! لاتعداد انحرافات نے جو قدیم بھی تھے اور جدید بھی، راہِ سنت کو نہ صرف چھپا رکھا تھا بلکہ لگتا تھا 'اسلام' ہی یہ ہے! جہاد نہ صرف متروک ہو گیا تھا بلکہ اس بار جہاد کا تصور بھی مسخ ہو کر رہ گیا تھا۔

چنانچہ اس بار تو ہمارا بہت کچھ گیا۔ بلکہ کچھ بھی گویا نہیں بچا۔ ہمارے جو قیمتی ترین اثاثہ جات ہم سے چھنے اور جن کی فہرست نہایت طویل ہے، ان میں ہمارا 'بیت المقدس' بھی تھا جس میں یہود آج دندنا رہے ہیں اور جس کے اطراف واکناف میں مسلم مائیں اور بیٹیاں بے بسی کی تصویر بنی، اپنے گھروں پر بلڈوزر پھرتے اور میزائل برستے دیکھنا اپنے حق میں ایک معمول کی بات سمجھنے لگی ہیں۔ ان کی کچھ نہ کچھ تصویریں عالمی پریس میں چھپ ہی جاتی ہیں، اور پھر عالمی پریس کا پیروکار 'ہمارا' میڈیا بھی یہ تصویریں کچھ نہ کچھ چھاپ ہی دیتا ہے جب وہ اپنے کھنڈر بنے گھروں سے کفن میں لپٹے شہیدوں کے لوتھڑے دفن کیلئے روانہ کر رہی ہوتی ہیں۔ تصویروں اور ٹی وی سکرینوں پر ان کے آسمان کی جانب اٹھے ہاتھ ہی نظر آ سکتے ہیں، دلوں کی حالت کیا ہوگی، اسے محسوس کرنے کیلئے تو دل ہی چاہئیں!

☆☆☆☆☆

آج سے کوئی صدی بھر پہلے، ہم پر رونے والا ایک شخص بے بسی سے یوں رویا تھا:

وائے ناکامی، متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا!

آج ہم دیکھتے ہیں وہ زرخیز مٹی جسے ذرا ہی 'نم' کی ضرورت تھی، سونا اگلنے لگی ہے! صدی بھر، قرآن پڑھانے والوں نے اِس کے بچوں کو قرآن پڑھایا۔ توحید سکھانے والوں نے توحید کو اِن کی گھٹی میں ازسرنو اتارا۔ سنت کا اِحیاء کرنے والوں نے راہِ سنت پر سے گرد کے ڈھیر ہٹانے کیلئے رات دن ایک کیا۔ خدا کی جانب لوٹ آنے کی 'آواز' اس کے گلی محلوں میں مسلسل اونچی کی جانے لگی۔ عورتیں، بچے، جوان سبھی اس مبارک عمل کا حصہ بن جانے کیلئے جوق در جوق بڑھے جس کو 'اجتماعی توبہ' کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ معاشرتی سطح پر تقویٰ اور فرماں برداری کے یہ مناظر روز بروز پزیرائی پانے لگے اور مسلسل رو بہ ترقی ہیں۔ اشتراکیت، قومیت، سرمایہ داری، سلطانیِ جمہور اور سیکولرزم کے نعرے دفن کروا دینے پر داعیوں کو ایک طویل محنت کرنا پڑی، جواب جا کر اپنے اثرات دکھانے لگی ہے۔ اصلاح کی صدا بلند کرنے والوں نے خدا کے حق میں بولنے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لانے کی نئی مثالیں رقم کیں، یہاں تک کہ اِس کے کئی ایک ملکوں میں کلمہ گویانِ حق کیلئے جیلیں اور قید خانے کم پڑ گئے! کئی سربلندوں نے پھانسی کے پھندوں کو آگے بڑھ کر چوما! نسلوں کی تقصیر پر شہادتوں کے کفارے دیے گئے! جہادی قیادتیں اس چمن کی روٹھی ہوئی بہاروں کو منالانے کیلئے اپنے خون کو کام میں لانے کی زریں مثالیں پیش کرنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے امت کے نوجوان ان کے پیچھے یوں ہو لئے گویا ماؤں نے بچے صرف جہاد کیلئے جنے ہیں......اور آج یہ عالم ہے کہ پورا عالم اسلام، مراکش تا انڈونیشیا، کفر کے عالمی اقتدار کے پاؤں تلے ایک کھولتا آتش فشاں بننے جا رہا ہے! ایک دو نہیں کفر کے سارے ہی تخت ڈولنے لگے ہیں! سب طاغوتوں کے عرش آج لرز رہے ہیں۔ بڑے بڑے فرعون غرق ہونے کو

ہیں۔ اور وہ یہودی سامری جو اس پورے طلسم کدے کے پیچھے چھپا اصل کردار تھے، اپنا سارا جادو قرآن کے ہاتھوں یوں بے اثر ہوتا دیکھ کر کف افسوس مل رہے ہیں۔ 'اسلامی بیداری' ان سب کی نیندیں حرام کرچکی! ایک نہایت عجیب نقشہ، کہ تاریخ میں شاید کبھی نہ دیکھا گیا ہوگا، پوری دنیا کو سر تا پیر بدل دینے کیلئے دھیرے دھیرے نمودار ہونے لگا ہے!!! وہ ہمارا نقشہ تبدیل کرنے آئے تھے، آج ان کا اپنا نقشہ تبدیل ہو جانے کو ہے اور پوری دنیا ایک حیرت ناک تبدیلی کے دھانے پر کھڑی ہے!!!

اب تو اقصیٰ ہی کیا، 'متاعِ کارواں' کی نہ جانے کیا کیا چیز جو کھو دی گئی تھی واپس آنے والی ہے! اتنی بڑی امت کو، جو قرآن کی دولت پاس رکھتی ہے، صیہونیت اور صلیبیت دو سو سال تک جگاتی رہی، آخر کچھ تو ہونا تھا! اب جب بیداری اِس کے جسم میں کروٹیں لے رہی ہے، باطل کو اس کے یہاں سے رخصت کر دینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، حق سے تمسک کی تحریکیں روز بروز مقبول ہو رہی ہیں.. تو خدا کی نصرت بھی روز بروز (ان شاء اللہ) قریب ہونے لگی ہے۔ اس کے آثار تو بہت واضح نظر آنے لگے ہیں۔

پس آج ہم دیکھتے ہیں 'اسلامی بیداری' جس طرح بڑھتی جا رہی ہے، دین کی حقیقت جس طرح امت کے نوجوانوں میں عود کر آئی ہے اور مسلسل رو بہ ترقی ہے، ویسے ویسے عالمی جہادی عمل مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا ہے۔ یہ خدا کی اس امت پر خاص رحمت ہے۔ اپنی اس بار کی نشأۃ کے موقعہ پر تو ہم دیکھتے ہیں، ہمارا جہادی عمل شاید ابھی اتنا طاقتور نہیں ہوتا کہ دشمن کی حالت اس سے پہلے غیر ہونے لگتی ہے!

الحمد للہ، مجموعی طور پر گراف پھر سے اوپر جا رہا ہے۔ امت کے کئی سنجیدہ طبقوں کا ٹھیک ٹھاک زور صرف ہو رہا ہے۔ یہ خدا کا ہی فضل ہے کہ اُس کی نصرت کے اسباب روز بروز بڑھ رہے ہیں!

یقیناً بہت تھوڑا فاصلہ ابھی طے ہوا ہے۔ بہت زیادہ کام باقی پڑا ہے۔ پھر بھی امیدوں کی گھٹائیں دیکھنے میں آنے لگی ہیں۔ خوف کے سائے بہر حال سمٹنے لگے ہیں۔

ایک بہت تھوڑی تعداد نے صدی بھر کی محنت سے خدا کے فضل سے معاملے کو یہاں پہنچا دیا ہے اور سرخروئی کی خوب مثالیں پیش کر دی ہیں۔ تو اب اگر یہ پوری امت یا اس کا ایک بڑا طبقہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے، جس کا امکان روز بروز بڑھ رہا ہے، اور جس پر کہ اب زور دے دیا جانے کی اشد ضرورت ہے، تو کفر کا یہ بیت العنکبوت کب تک قائم رہ پائے گا۔

ابھی دو عشرے پہلے کی بات ہے 'اسرائیلی عزائم' دنیا کے اندر ہر جگہ زیر بحث تھے۔ 'یہودی سیانوں' کے پروٹوکولز ہر مجلس کا موضوع تھے۔ ہر کسی کی زبان پر 'نیل تا فرات' کو لینے کے اسرائیلی منصوبوں سے متعلق خدشات کا ذکر تھا۔ 'وسیع تر اسرائیلی ریاست' جس کے اندر خیبر اور مدینہ تک دکھایا جا رہا تھا، کے نقشے آئے روز ذرائع ابلاغ میں چھپتے تھے، جنہیں دیکھ کر ہول آتا تھا۔ دو عشرے نہیں گزرتے کہ قریب قریب ہر زبان پر 'اسرائیل کی بقا' کا سوال سنا جا رہا ہے! 'اسرائیل کی توسیع' کے منصوبے تو لگتا ہے کسی بہت ہی پرانے زمانے کی باتیں ہیں! جہاد کو دبا لینے کے سب جتن کر لئے گئے مگر یہ مسلسل ان کی پریشانی بڑھا رہا ہے!

جس طرح آج ہر شخص یہ دیکھ رہا ہے کہ امریکہ کیلئے عراق اور افغانستان پر اپنا قبضہ مستحکم کر لینا اب نرا ایک خواب ہے اور یہ کہ امریکہ کا یہاں سے نکلنا اب ٹھہر گیا ہے زیادہ سے زیادہ دیکھنے کی بات رہ گئی ہے تو وہ یہ کہ امریکہ کی پسپائی کتنی دیر لیتی ہے، اس سے کہیں واضح طور پر آدمی یہ دیکھ سکتا ہے کہ عراق اور افغانستان سے امریکی انخلا کے بعد، جو کہ خطے میں امریکی اثر و رسوخ کیلئے ایک بے حد بڑا دھچکا ہوگا، بلکہ عالمی توازن کے اندر یہاں سے ایک نیا باب شروع ہونے والا ہے، اسرائیل کا مستقبل یہاں آخری حد تک تاریک ہے۔ اب یہ بات 'تجزیوں' سے آگے گزر چکی۔ یہ اب نوشتۂ دیوار ہے۔

جیسے جیسے خطے کے اندر امریکی اور اسرائیلی مفادات پر رات پڑ رہی ہے ویسے ویسے عالم اسلام پر ایک نہایت خوشگوار صبح طلوع ہو رہی ہے! حقیقت یہ ہے یہ خوشگوار صبح صرف عالم اسلام پر نہیں پوری انسانیت پر طلوع ہونے والی ہے اور مستضعفین فی الارض کے حق میں دنیا کی رُت بدلنے والی ہے! یہ 'صبح کی روشنی' جواب رفتہ رفتہ اونچی ہونے لگی

ہے، یہاں تک کہ لاطینی امریکہ کی مظلوم نصرانی قومیں تک اس سے لو پانے لگی ہیں، بلاشبہ شہیدوں کے لہو کی مرہونِ منت ہے، کہ اس امت کو اس مایوس کن اندھیری رات کے بعد پھر ایک صبح لا دینے کا معجزہ انہی کے دم قدم سے ہونے جا رہا ہے۔

جہاں یہ بہار، عالم اسلام کے کئی اور خطوں کو مہکانے جا رہی ہے، وہاں خطۂ شام میں جہاد اور مجاہدین کی اس رُت کو 'انتفاضۂ فلسطین' کا نام ملا ہے!

☆☆☆☆☆

'انتفاضۂ' کا عربی میں مطلب ہے 'ہلچل'، 'اٹھ کھڑے ہونا'، 'سکوت اور عدمِ حرکت کو خیر باد کہہ دینا' اور 'شدت کے ساتھ برسرِ عمل ہونے کی دہائی پڑ جانا'۔

80ء کی دہائی کے وسط کے کچھ بعد، کہ جب جہادِ افغانستان کی فصل پکتی نظر آنے لگی تھی، تب بیت المقدس کے اس جہاد نے بھی جو افغانستان سے کئی عشرے پہلے سے جاری تھا، ایک نئی کروٹ لی۔ فلسطین کی گلی گلی، چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں پتھر لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے اور اسرائیل کے فوجیوں کے آگے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔ دیکھنے والوں کا خیال تھا غزہ کی پٹی میں واقع خیمہ بستی 'جبالیا' میں ایک اسرائیلی ٹرک کے ہاتھوں چار فلسطینی مزدوروں کے بربریت کے ساتھ کچل دیے جانے کے اندوہناک واقعہ کے خلاف فلسطینیوں کا یہ ایک شدید مگر وقتی سا ردعمل ہے جو آس پاس کے کچھ شہروں میں بھڑک اٹھا ہے، مگر فلسطین کے بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں نے برسوں اسی سرفروشی کو برقرار رکھ کر پوری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ یہ ایک 'واقعہ' کا ردعمل نہیں، اس کے پیچھے اسلامی قیادتوں کی منصوبہ بندی کام کر رہی تھی۔ یہ فلسطین کی اسلامی بیداری تھی، جو دراصل ایک نئے پختہ تر مرحلے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کو انتفاضۂ اولیٰ کا نام دیا گیا۔

انتفاضۂ اولیٰ کوئی عشرہ بھر چلی۔ مگر یہ اپنی تاثیر میں اس قدر شدید تھی کہ ظلم کی قوتوں نے، جو سمجھ رہی تھیں کہ کچھ عشروں کے قہر و تشدد کے بعد معاملہ ان کے کنٹرول میں آ جانے لگا ہے، اس انتفاضہ کے اندر بہت دور رس پیغام پڑھ لئے۔ چنانچہ چند ہی

سالوں میں میڈ ریڈ کے معاہدۂ امن (1991ء) کا ڈول ڈال دیا گیا، امریکہ کی بھاگ دوڑ کے نتیجے میں پھر اوسلو مذاکرات ہوئے، یہاں تک کہ 1993ء میں یاسر عرفات نے وائٹ ہاؤس میں کلنٹن کو بیچ میں کھڑا کر کے اسحاق رابن کے ساتھ تاریخی مصافحہ کیا، اور غزہ کی ایک بلدیہ نما 'فلسطینی اتھارٹی' کا پرمٹ لے کر فلسطینی قوم کو 'حقوق' مل جانے کا مژدہ سنایا۔ مگر فلسطینیوں کی انتفاضہ جس راستے پر چل پڑی تھی وہ اسرائیل کے ان سب ناٹکوں سے اب بے نیاز تھا۔ فلسطین قومی اور وطنی نعروں کو چھوڑ کر 'جہاد' کے راستے پر یکسو اور یک آواز ہو رہا تھا۔ فلسطین کی لادین قیادتوں کو رجھانے میں اسرائیل غیر ضروری طور پر لیٹ ہو گیا تھا اور معاملہ 'اسلام پسندوں' کے ہاتھ میں آچکا تھا!

2000ء میں انتفاضۂ ثانیہ شروع ہوتی ہے۔ یہ دھماکہ اس وقت ہوا جب اس وقت کی اپوزیشن پارٹی 'لیکوڈ' کے وزارت عظمیٰ کے امیدوار اریل شیرون نے اسرائیلی قوم کا ہیرو بننے کیلئے یہ شر انگیز اعلان کیا کہ وہ احاطۂ اقصیٰ میں گھس کر 'ہیکل سلیمانی' والے پہاڑ پر ہیکل کا سنگ بنیاد رکھ کر آئے گا۔ پھر کیا تھا، اقصیٰ کے نمازی اس دن موت کیلئے گھروں سے ہی تیار ہو کر آئے تھے۔ اریل شیرون جو اپنے پیروکاروں کی بھاری تعداد اور پولیس کی ایک بڑی نفری کی حفاظت میں مسجد کے اندر گھسنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اپنے اس مکروہ ارادے کو تو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا البتہ فلسطین کی انتفاضۂ ثانیہ کو ایک بنیاد ضرور فراہم کر گیا۔ بیت المقدس کے نمازی اس پر واضح کر چکے تھے کہ وہ اپنی مطلوبہ جگہ تک اقصیٰ کے آخری نمازی کی لاش گرا لینے کے بعد ہی پہنچ سکتا ہے۔ تب مسجد کے اندر اور باہر بہت سی لاشیں گریں۔ بیت المقدس کی متعدد سڑکیں اور بازار اس دن مسلم خون سے سرخ ہوئے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں نے بہادری سے جان دی۔ خون اتنا ہو گیا کہ شیرون الیکشن جیت لینے کی بنیاد بنا چکا تھا، لہٰذا 'ہیکل' کی بنیاد رکھنے کی فی الحال ضرورت نہ رہی تھی! تاہم انتفاضہ کی آگ بیت المقدس سے بڑھتی ہوئی سب فلسطینی شہروں کے اندر پھیل گئی اور بالآخر ایک ایسے الاؤ کی صورت دھار گئی جس پر قابو پا لینا پھر کسی ڈپلومیسی کے بس کی بات نہ رہی۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انتفاضۂ اولیٰ اگر فلسطین کی خیمہ بستیوں سے پھوٹی تھی تو یہ انتفاضۂ ثانیہ بیت المقدس بلکہ عین مسجدِ اقصائے مبارک کے صحن سے طلوع ہوئی!

انتفاضۂ اولیٰ اگر پتھروں اور غلیلوں پر سہارا کر رہی تھی اور ایک عوامی رو تک محدود تھی، تو انتفاضۂ ثانیہ کے ہاتھ میں پتھر بھی تھے، اور کہیں کہیں گولی بھی اور پھر رفتہ رفتہ گوریلا عمل بھی۔ جلد ہی معاملہ گولی اور راکٹ سے بھی بھاری ہتھیاروں پر چلا گیا۔ ایک نہایت ہلکی آنچ پر یہودی قبضہ کاروں اور آبادیاتی منصوبہ سازوں کو سینک پہنچانے کا کام بظاہر یہاں وہاں ہونے والی کچھ کارروائیوں کی صورت مگر درحقیقت ایک بہت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شروع کر دیا گیا تھا۔ زیادہ تر کارروائیاں اسرائیل کے اہم اہم فوجی اہداف پر ہو رہی تھیں اور اگر کوئی کارروائی بظاہر غیر فوجی ہدف پر تھی، تو اس کے پیچھے بھی وہ بہت سی ان کہی کہانیاں تھیں جنہیں 'طرفین' ہی بخوبی سمجھ سکتے تھے! حماس، الجہاد الاسلامی، کتائب الاقصیٰ وغیرہ وغیرہ ایسی کئی جہادی جماعتوں کا نام لوگ سن تو بہت پہلے سے رہے تھے مگر اب انہیں ایک قوت کے طور پر جاننے لگے تھے۔

انتفاضۂ اولیٰ کی راہ میں اگر 'امن معاہدوں' کے بند باندھنے کی کوششیں ہوئی تھیں، تو انتفاضۂ ثانیہ نے وہ سب کے سب بند توڑ دیے تھے۔ اس بے قابو طوفان سے بچنے کیلئے یہودی اب کیا تدبیر کریں؟! 'امن معاہدہ' سب سے بڑا کارڈ تھا جو کھیل لیا گیا۔ ایک 'آزاد فلسطینی ریاست' کا کارڈ رہ جاتا ہے، مگر اسے کھیلنے کی ہمت کون کرے؟! فلسطینی 'اسلام پسند' کیا 'سیکولر'، ایک بے انتہا سمجھدار قوم ہے، شرح خواندگی قریب قریب سو فیصد ہے اور پون صدی کی آزمائشوں کی بھٹی نے اس کو کندن کر دیا ہے۔ ایک آزاد ملک اگر ان کے ہاتھ آ جاتا ہے تو یہاں کسی 'بنگلہ دیش' کا امکان نہیں۔ یہ باقی کا فلسطین لینے کے معاملہ میں پورے عالم اسلام کیلئے ایک بیس کیمپ ہی بنے تو بنے! فلسطینیوں کو ایک خودمختار ملک دے دینا پس ایک بہت بڑا جوا ہے۔ مگر آخر کب

تک اس انتفاضہ کی آنچ سہی جائے؟! کوئی ایک عشرہ ہونے کو ہے یہودی قبضہ کاروں کے گھر لرز رہے ہیں۔ چین کی نیند سونے کیلئے اسرائیل اب صحیح جگہ نہیں! فلسطینیوں کو چین نصیب نہیں جو کہ گھر والے ہیں تو ان کے گھروں پر قبضہ کرنے والے یہاں کیونکر بے خوفی کی نیند سوئیں، اس بات کا انتظام فلسطین کے ان نوجوانوں نے اب کوئی عشرے بھر سے کر رکھا ہے جن کی دنیا کے اندر سب سے بڑی آرزو خدا کے راستے میں شہادت پانا ہے! فلسطینیوں پر گولی، لاٹھی، تشدد، گھروں کو مسمار کر دینا، میزائلوں سے محلوں کے محلے بھسم کر دینا، معاشی حصار.. سب حربے آزمائے جا رہے ہیں، غزہ کا پورا شہر ایک بہت بڑی جیل بنا دیا گیا ہے جہاں روٹی، سبزی اور دالیں تک پہنچنے کے سب راستے مسدود کر دیے جاتے ہیں، فلسطینی بھوک سے مرنے پر مجبور ہیں، دوائیوں کے بغیر بچے ہسپتالوں میں بلک بلک کر جان دے رہے ہیں۔ مگر غزہ کے چھوٹے بڑے، عورتیں مرد، پوری قوم عزم کئے ہوئے ہے کہ اسرائیلیوں کے سامنے تکلیف سے اف تک نہ کرے گی۔

حیرت ہے تو صرف یہ کہ ساتھ کے عرب ملکوں کے دسترخوانوں پر پورے پورے بکرے اور اونٹ روسٹ ہو کر دھرے جاتے ہیں۔ آدھا کھایا اور زیادہ کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ بے شک یہ ملک 'خیرات' نہ کریں، ان کے بچے ہوئے دسترخوان ہی نہ صرف فلسطین بلکہ پاس میں صومالیہ اور ارٹریا اور اب تو عراق کے اندر بھوک سے دہری ہوئی جاتی کمروں کی وہ رمق بحال کر سکتے ہیں، جس پر آج امت کی آبرو بحال ہونے کا سوال انحصار کرنے لگا ہے۔

مسلم پامردی، کہ خدا پر توکل کا نتیجہ ہو، ہمیشہ نصرت خداوندی کا داعیہ بنتی ہے۔ آج یہ حال ہے کہ دنیا کی سب سے کائیاں قوم کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا!

صرف ایک حربہ تھا جو انتفاضۂ ثانیہ کو پٹڑی سے اتار سکتا تھا۔ امن معاہدہ کے بعد یہودیوں کو اس کارڈ سے امید بھی بہت زیادہ تھی۔ یہ تھا فلسطینیوں کے مابین خانہ جنگی کرا دینا، جس کی بنیاد یہ ہوتی کہ پی ایل او اپنے امن معاہدے کے تحفظ میں اتنی آگے

چلی جائے کہ فلسطین کے جہادیوں کو جنگ بندی پر بزور مجبور کرے اور ان کے نہ رکنے کی صورت میں خود ہی ان کے ساتھ جنگ شروع کر دے۔ دوسری جانب جہادیوں کو ابھارا جائے کہ یاسر عرفات اور پی ایل او ایسی لادین پارٹی کے خلاف، جو کہ دشمن کے ساتھ امن معاہدہ بھی کر چکی ہے، جنگ شروع کر دیں۔ یوں اگر فلسطینی ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگ جاتے ہیں تو اسرائیل کی جان چھوٹ جاتی ہے! دونوں طرف ہتھیاروں کا خرچہ اٹھانا کچھ ایسا مشکل نہیں! مگر فلسطین کے اسلامی کیا سیکولر دونوں طبقوں کی سیاسی پختگی کی داد دینا پڑتی ہے کہ یہود کی تمام تر سازشوں کے باوجود فلسطینیوں نے ان کی یہ حسرت پوری نہ ہونے دی۔ اس کا سہرا اگر خاص ایک آدمی کے سر جاتا ہے تو وہ ہے جہادِ فلسطین کی نہایت صاحبِ بصیرت شخصیت شیخ احمد یاسین! اللہ ان کی شہادت قبول کرے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے وہیل چیئر پر بیٹھ کر اپنی قوم کو جہاد پر کھڑا کیا اور بڑے بڑے جذباتی اور گھمبیر لمحات پر بھی اس کو کوئی ایسی غلطی نہ کرنے دی، جس پر یہودی اوباش بغلیں بجائیں۔ احمد یاسین، جو حماس کے سر بکف نوجوانوں کے دلوں میں بستا تھا، کا ان کو کہنا تھا کہ یہودیوں کو وہ چیز کسی بھی قیمت پر نہ دی جائے جسے وہ ان کو جذباتی کر کے اس وقت ان سے لینے کی کوشش کر رہے ہیں اور جس کیلئے یہود درحقیقت بے صبرے ہوئے جاتے ہیں۔

شیخ احمد یاسین اور پھر عبدالعزیز رنتیسی کی شہادت کے کچھ دیر بعد چند واقعات ایسے ہوئے کہ فتح اور حماس کے مابین جھڑپوں تک نوبت پہنچی۔ قریب تھا کہ یہودی اس پر جشن کرتے مگر فلسطین کے سیانے صورت حال پر قابو پانے میں پھر بھی کامیاب ہو گئے۔ فلسطینیوں کی ہر گولی اس وقت ایک ہی دشمن کیلئے ہے اور وہ دشمن اس پوری قوم کا بلکہ پوری امت کا ازلی دشمن ہے۔ ہزار مصیبتوں کے باوجود اس پہلو سے فلسطینیوں کو یکسوئی حاصل ہے، جس سے ان کے تیر ہدف پر پڑنے کا امکان بے حد بڑھ گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مسلمانوں کا اصل ہتھیار اس وقت ان کی بہادری اور فدائیت ہے۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں حماس اپنے ہتھیاروں کو بہتر اور مؤثر بنانے پر دن رات کام کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں 'میزائل قسّام' خاص طور پر قابل ذکر ہے، جو بہت سادہ اور 'دیسی' قسم کا ہتھیار سہی، مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ ان حالات کے اندر جن سے انتفاضہ گزر رہی ہے حماس یہ میزائل خود تیار کرتی ہے اور اس سے نہایت خوب کام لیا جا رہا ہے۔

یہ میزائل عِزُّ الدّین قسّام کے نام سے منسوب کیا گیا ہے جو ایک شامی مجاہد راہنما تھا اور 1935ء میں بہادری سے لڑتا ہوا اس وقت شہید ہوا تھا، جب فلسطین پر قابض برطانوی اور یہودی افواج کے خلاف خطہ کے مسلمان جہاد کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

واشنگٹن پالیسی انسٹی ٹیوٹ فار نیئر ایسٹ سے شائع شدہ ایک رپورٹ بہ عنوان Development and Impact of the Qassam Rocket: Weapon of Terror مؤلفہ Margaret Weiss میں کہا گیا ہے کہ میزائل قسام فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے مابین جنگ کے توازن پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہوا ہے۔ مارگریٹ کا کہنا ہے حماس نے پہلی بار یہ میزائل 2001ء میں استعمال کیا تھا، یعنی انتفاضۂ ثانیہ کے آغاز کے ایک سال کے اندر اندر۔ یہ مسئلہ حماس تک محدود نہیں رہا، حرکۃ الجہاد الاسلامی 'صواریخ القدس' کے نام سے اپنے راکٹ پروگرام کو ترقی دینے میں لگی ہے۔ کتائب شہداء الاقصیٰ 'صواریخ الاقصیٰ' کے نام سے ایک پروگرام پر عمل پیرا ہے اور لجان المقاومۃ الشعبیۃ 'صواریخ ناصر' کے نام سے!

رپورٹ کا کہنا ہے، 'صواریخ قسام' کی یہ کمزوری کہ اس میں عین نشانے کے اوپر جا کر پڑنے کی صلاحیت بہت کم ہے، اسرائیلیوں کے مابین اس راکٹ کی بابت اور بھی ہول پھیلا دینے کا باعث بنی ہے! رپورٹ، حماس کے ایک راہنما محمود الظہار کے London's Sunday کو بھیجے گئے ایک ٹیلیگرام کا حوالہ دیتی ہے کہ فلسطینی، بموں کی بجائے اب یہ میزائل داغنے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ اس کا نشانہ بہت پختہ نہیں تو بھی

کیا، اسرائیلیوں پر یہ جہاں بھی پڑے! الظہار کا کہنا ہے 'قسام' اسرائیلی آباد کاروں کو واپس بھگانے اور ان کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے میں بے حد کامیاب جا رہا ہے۔

مارگریٹ کی رپورٹ بتاتی ہے، بعض مہینوں کے اندر حماس کی جانب سے اسرائیلیوں پر گرائے جانے والے ان میزائلوں کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ امسال (2008ء) مارچ کے پہلے ایک ہفتے میں ہی ایسے سو سے زائد راکٹ داغے گئے۔

☆☆☆☆☆

'انتفاضۂ فلسطین' طویل عرصے بعد سرزمینِ مقدس کے افق پر طلوع ہوئی ہے۔ یہ ایک نہایت مبارک پیش رفت ہے۔ یوں سمجھئے یہ فلسطین کی آزادی کا اسلامی ایجنڈا ہے۔ ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں ہم پی ایل او اور اس کے عسکری ونگ 'فتح' کی کارگزاریاں سنا کرتے تھے۔ آج یہ لادین ایجنڈے فلسطینیوں کے مابین اپنی مقبولیت کھو چکے ہیں......

کوئی پڑھنا چاہے تو خدائی تقدیر کو حرکت میں آتا آج بخوبی پڑھ سکتا ہے۔ فلسطین میں پی ایل او کی بجائے حماس اور الجہاد الاسلامی اور کتائبِ اقصیٰ ہی اب لوگوں کے دلوں میں بستی ہیں۔ عراق میں 'بعث' قصۂ پارینہ ہوئی، صرف جہادی گروہ ہی امت کی امید رہ گئے ہیں۔ افغان جہاد کی قیادت آج راسخ العقیدہ مسلمان ہاتھوں میں ہے۔ کشمیر میں لبریشن فرنٹ ماضی کا حصہ بنی، اسلام سے وابستہ قوتیں ہی آج آزادیِ کشمیر کی پہنچان ہیں۔ صومال میں فرح عیدید اور دیگر دین سے ناآشنا قبائلی شملہ برداروں کا دور تمام ہوا، آج محاکم اسلامیہ ہی قوم کی آرزوؤں کی نمائندہ ہیں......

چنانچہ 'انتفاضہ' کا نام آپ جب بھی سنتے ہیں، فلسطین کی ایک 'قومی' تصویر کی بجائے ایک 'اسلامی' تصویر ہی آپ کے پردۂ ذہن پر اجاگر ہوتی ہے۔ کمیاں کوتاہیاں ہر جگہ ہوتی ہیں۔ ان پر کام کرنے کی ضرورت بھی رہتی ہے، جو کہ ہو بھی رہا ہے اور مزید کی گنجائش بھی بہت ہے، اور اس کے لئے صلائے عام بھی ہے، مگر 'انتفاضہ' کی صورت میں فلسطین اپنی وہ پہنچان یقیناً پا چکا ہے، اور وہ سمت بھی، جو اس کو صرف اور صرف

اسلام اور امت سے ہی وابستہ کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فرق آنے کے ساتھ ہی، پورے عالم اسلام خصوصاً جزیرۂ عرب کے علماء کی ایک کثیر تعداد جہادِ فلسطین کی پشت پر آ گئی ہے۔ ان علماء نے اپیل کی ہے کہ بیت المقدس میں رباط کر رکھنے والی اس قوم کے حق میں پوری امتِ اسلام کو متحرک اور متوجہ کیا جائے۔ ہمارا یہ سطور لکھنا ان کی اسی اپیل پر لبیک کہنا ہے۔ آپ بھی اگر یہ سمجھتے ہیں کہ امت میں علماء کی صدا پر اٹھ کھڑے ہونے کا یہ منہج آج از سر نو بحال ہو، تو اس صدا کو عام کرنے میں حصہ لیجئے۔

فلسطین قریب قریب پورے کا پورا اس وقت حالتِ رباط میں ہے۔ قربانیاں، جن کا حساب نہیں۔ ایک ایک لمحہ گزرنا دوبھر ہو رہا ہے۔ صبر کا عجیب امتحان ہے۔ قوم مصائب کے پہاڑ اٹھائے کھڑی ہے، مگر ثابت قدم ہے اور یہود پر ثابت کر رہی ہے کہ یہ ملک وہ نہیں جس میں غاصبانہ قدم رکھ کر وہ سو سو بار نہ پچھتائیں اور اس وقت کو نہ روئیں جب انکے بڑوں نے انکو مرنے کیلئے یہاں چھوڑ دیا تھا۔ آج یہود اگر دیکھیں تو آئندہ سو سال تک بھی امید کی کوئی ایسی صورت باقی نہیں کہ وہ زمین کے اس گوشے میں 'مالکوں' کی طرح رہ لیں گے۔ ہزار سال تک امید نہیں۔ انتفاضہ نے ابھی اور کچھ کیا ہو یا نہ، ان یہودیوں کو جو اپنی بچی کھچی نسلوں کیلئے پریشان اور نہایت خوبصورت بنگلوں اور اپارٹمنٹ بلڈنگوں میں عیش سے بسنے اور تل ابیب کے ساحلوں پر خرمستیاں کرنے اور فلسطینیوں کو اپنے بنگلوں میں چوکیدارا اور اپنی فیکٹریوں میں کم نرخ مزدور بھرتی کرنے کے خواب لے کر یہاں آئے تھے...... انتفاضہ نے ان یہودی مہاجنوں کو معاملے کی یہ تصویر ضرور دکھا دی ہے کہ یہ زمین انکے پاؤں تلے لرزتی ہی رہے گی اور یہ کہ فلسطین کی گلیوں میں چلتے ہوئے اپنی کھوپڑیوں کی حفاظت کرنا انکی ترجیحات میں سر فہرست ہی رہے گا!

انتفاضہ کا یہ پیغام دراصل اس سے بھی دور رس ہے اور یہودی ناسمجھ نہیں کہ اسکو پڑھ نہ پائیں۔ سرزمینِ مقدس کا یہود کے پاؤں تلے یوں دھیرے دھیرے ہلنا، تصویر کا ابھی ایک نہایت چھوٹا اور ناقابل ذکر حصہ ہے۔ یہ تو اِسی رفتار سے ابھی صرف جاری رہ لے تو

سمجھئے فلسطینی بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ عالمِ اسلام کی اصل جنگ دراصل امریکن ایمپائر کو گرانے کیلئے ہو رہی ہے۔ یہ ہاتھی بھی عنقریب گرنے کو ہے۔ صورت حال کی اصل تصویر اس دن دیکھنے کی ہوگی، اور وہ دن شاید اب بہت دور نہیں، جب یہ لے پالک یہودی ریاست اپنے سب پشتبان اور اپنے سب سہارے کھو بیٹھے گی، جب خطے میں آوارہ پھرتے امریکی بحری بیڑے جو پاس کی اسرائیلی ریاست کی جانب غلط انداز سے دیکھ لینے پر بھی خطہ کی عرب ریاستوں کو کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں اور ان پر ہول طاری کر کے رکھتے ہیں کہ وہ یہاں سے امداد کا ایک دانہ بھی انتفاضہ یا کسی بھی جہادی عمل کو نہ پہنچنے دیں.. امریکہ کے یہ طیارہ بردار متحرک 'جزیرے' جب اپنی یہ سب پابندیاں عائد کر رکھنے سے قاصر ہو جائیں گے، بلکہ یہاں رہ ہی نہ پائیں گے۔ تصور کیجئے جب امریکہ کی دہشت یہاں کی حکومتوں پر سے جاتی رہے اور یہ حکومتیں مجاہدین کے راستے میں اڑ کر بیٹھنے کا وتیرہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں۔ تب اسرائیل کو تو صرف مصر کے جوان کافی ہیں جو ایک عرصہ سے کسی آتش فشاں کی طرح کھول رہے ہیں اور ان کو رسے ڈال ڈال کر باندھا جا رہا ہے! ابھی شام، عراق اور جزیرۂ عرب پورے کا پورا پڑا ہے جہاں جہاد بھرپور کروٹیں لے رہا ہے۔ تصور کیجئے جب یہاں سے حتیٰ کہ پورے عالم عرب بلکہ پورے عالم اسلام سے اٹھ کر آنے والے نوجوانوں کی راہ میں جوق در جوق بیت المقدس کا رخ کریں گے، کوئی رکاوٹ نہ آ پائے اور یوں ہر طرف سے مجاہدین کے لشکر انتفاضہ کی نصرت کو پہنچیں! یہ تصویر مکمل ہونا اب بہت دور نہیں رہ گیا!!!

کرۂ ارض پر جہاد کا ہر محاذ، ہر غازی ہر مجاہد، عالمی سامراج سے کسی بھی انداز میں برسر پیکار ہر مسلمان، ایک معنیٰ میں آج بیت المقدس کی جنگ لڑ رہا ہے! ایسے ہر محاذ، ہر غازی ہر مجاہد اور ہر تحریکی عمل کی مدد کرنا درحقیقت بیت المقدس کی مدد کرنا ہے!

قبلۂ اول 'فلسطینیوں' کا مسئلہ نہیں۔ مسجدِ اقصیٰ کے چراغوں کے لئے 'تیل' کی فراہمی ہر مسلمان ہی کیلئے باعثِ شرف ہے!

☆☆☆☆☆

مسجدِ اقصیٰ کے انہدام کے منصوبے سے امتِ اسلام کو خبردار کرنے کیلئے
حماس کا مراسلہ، کرۂ ارض کے جملہ مسلمانوں کے نام:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذا بیانٌ للناس

برادرانِ اسلام! سرزمینِ پاک پر چڑھ آنے والے صیہونی اپنے گھناؤنے ارادے اب روز بروز منکشف کرتے جارہے ہیں۔ مسجد اقصائے مبارک کی بابت ان کے خطرناک عزائم طشت ازبام ہونے لگے ہیں.. آج آپ کے سامنے، بیت المقدس کے محلّہ 'المغاربہ' کے اندر مسجدِ اقصائے مبارک کے عین بالمقابل یہودی اپنے نام نہاد 'ہیکل' کا سنگِ بنیاد رکھ رہے ہیں۔ نقشے سے عیاں ہے، یہ تعمیری منصوبہ مسجدِ اقصیٰ کو، خدانخواستہ، گرائے بغیر پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے گا۔

جہاں تک ہم اہالیانِ فلسطین کا تعلق ہے، تو ہم تو خدا کے اس گھر کو چھوڑ کر کہیں جانے والے نہیں۔ ہماری قوم کا ایک ایک فرد فلسطین کے ایک ایک گوشے سے یہاں پر عبادت اور یہاں سے اپنی وابستگی ثابت کرنے کیلئے پہنچتا ہے، باوجود اس کے کہ صیہونی ان پر قہر وتشدد کی آخری حد کر رہے ہیں، ان کے شہروں اور دیہاتوں کا محاصرہ اور مسجد اقصیٰ آنے کیلئے ان کے راستے میں ہزاروں رکاوٹیں کھڑی کئے ہوئے ہیں۔

البتہ رابطہ علمائے فلسطین، عالمِ عرب اور امت اسلام کے نام بھی ایک بیان جاری کر چکا ہے، جس میں اس مذموم جرم کی شناعت بیان کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح مسلم مقدسات کی بے حرمتی اور پامالی ہو رہی ہے جن میں سرفہرست مسجد اقصائے مبارک ہے۔

حماس اس سے پہلے ایک بیان جاری کر چکی ہے، جس میں صیہونیوں کے اس اقدام کو جرم قرار دیا گیا ہے، جو کہ اِن لوگوں کے مسجدِ اقصیٰ کو گرا دینے کے منصوبوں کا راز

فاش کر دینے کیلئے کافی ہے۔ حماس تمام عرب اقوام اور پوری امت اسلام سے اپیل کر چکی ہے کہ وہ اس منحوس منصوبے کے خلاف زوردار آواز بلند کریں۔

امت اسلام سے ہماری اپیل ہے کہ وہ ہر سطح پر، اور ہر ہر نجی وقومی حیثیت میں، مسجدِ اقصائے مبارک کو بچانے کیلئے اٹھ کھڑی ہو، اور اس کے لئے سب ممکنہ وسائل کو بروئے کار لائے۔

ہماری اپیل ہے کہ ہر مسلمان اس مسئلہ کو اٹھانے کے اندر اپنا کردار ادا کرے، اس کیلئے جو جو سرگرمیاں اختیار کی جا سکیں، عوامی اور ابلاغی سطح پر جو جو پروگرام اور منصوبے قابل عمل ہوں اور مسلم اقوام کے فعال عناصر اور وسائل کو اس مقصد کیلئے حرکت میں لانے کی جو جو صورتیں اور چینل میسر ہوں، سب کام میں لائے جائیں۔ انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر تحریک اٹھائی جائے کہ ہم فلسطین والوں کی تائید میں فضا قائم ہو، جو کہ صیہونی دشمن کے سامنے آج دیوار بن گئے ہیں۔ اہل اسلام سے ہماری درخواست ہے کہ ہماری قوم کے لوگوں کو دشمن کے اس ظلم وتعدی کے مقابلے پر، اور مسجد اقصائے مبارک کے دفاع پر اس دشمن کے سامنے ثابت قدم رکھنے کیلئے: مالی، اخلاقی اور سیاسی طور پر جو ممکن ہو، مدد بہم پہنچائی جائے۔

اللہ أکبر

عزت اللہ کیلئے، اس کے رسول کیلئے

اور اھلِ ایمان کیلئے

جہاد: تا نصرت.. یا شہادت!!!

تحریک مزاحمت اسلامی (حماس)

شعبہ تعلقات عالم اسلامی

8 جمادی الاول، 1422ء

شجر سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ

مطبوعاتِ ایقاظ

روزِ غضب زوالِ اسرائیل پر انبیاء کی بشارتیں، توراتی صحیفوں کی اپنی شہادت	ڈاکٹر سفر الحوالی
روبہ زوال امیریکن ایمپائر عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پس منظر میں	حامد کمال الدین
مسجدِ اقصیٰ، ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا مسئلہ (کتاب و آڈیو)	حامد کمال الدین
مسلم ہستی کا احیاء	حامد کمال الدین
دعوت کا منہج کیا ہو؟	محمد قطب
ایمان کا سبق	حامد کمال الدین
شروط لا الہ الا اللہ	حامد کمال الدین
نواقضِ اسلام	حامد کمال الدین
توحید کے تین اساسی محور	حامد کمال الدین
موحد تحریک	حامد کمال الدین
آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟	حامد کمال الدین
اہل کتاب سے برأت	ڈاکٹر سفر الحوالی
صیام اور بندگی کے معانی (کتاب و آڈیو)	حامد کمال الدین
یہ گرد نہیں بیٹھے گی!	حامد کمال الدین
یہ وہی انگریزی نظام ہے، مگر اب یہ 'اسلامی' بھی ہے!	حامد کمال الدین

کتب خانوں، یا ہم سے بذریعہ وی پی، طلب فرمایئے، انٹرنٹ پر بھی دستیاب www.eeqaz.com, www.eeqaz.org

ایقاظ کے مضامین پھیلا یئے، البتہ

فوٹو سٹیٹ کرانے کی ضرورت نہیں!

ہم اپنے اُن قارئین کے ممنون ہیں جنھوں نے ایقاظ کے بعض گزشتہ مضامین یہاں کے فکری حلقوں تک زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں دلچسپی ظاہر فرمائی ہے۔

اِس بات کے پیش نظر کہ مضامین کو فوٹو سٹیٹ کر کے تقسیم کرنا مہنگا پڑتا ہے،
ادارہ ایقاظ اپنے اِن قارئین کیلئے یہ سہولت پیش کرتا ہے کہ:

تقسیمِ عام کیلئے آپ ایقاظ کے حالیہ یا گزشتہ کسی بھی شمارہ میں شائع شدہ کوئی بھی مضمون الگ سے طلب فرما سکتے ہیں۔

آپ کا کوئی بھی طلب کردہ مضمون ادارہ ایقاظ آپ کو 25 پیسے فی صفحہ کے حساب سے ارسال کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مضمون 40 صفحے کا ہے تو وہ آپ کو 10 روپے میں پڑے گا۔ ڈاک خرچ بھی بذمہ ادارہ ہوگا۔ البتہ چونکہ یہ سہولت تقسیم عام کیلئے پیش کی جارہی ہے لہٰذا کسی بھی مضمون کی ایک صد کاپی طلب کرنا ضروری ہوگا۔

Ph: **0323-403-1624** matbooateeqaz@gmail.com

شجرِ سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ

سہ ماہی ایقاظ

خصوصاً اِن موضوعات کے مطالعہ کیلئے:

☆ ایمان، عقیدہ، فکر، منہج، تربیت...... جو کہ بصیرت کی اساس ہیں

☆ ولاء اور براء...... جو کہ مسلم شخصیت کی پہچان ہیں......

☆ امتِ اسلام میں اخوت اور وحدت کے پنپنے اور انسانوں کے گرد کھڑی کردی گئی سب سرحدوں کو بے وقعت کردینے کی دعوت، سوائے اُن 'حدوں' کے جو معبود کے تعین اور طرزِ حیات کے چناؤ سے وجود میں آتی ہیں

☆ تحریک، سماجی تبدیلی، تہذیبی پیش رفت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت، تعلیم،...... باطل، شرک، ابتداع، فسق اور انحراف کے جملہ مظاہر کی تردید ومخاصمت، جاہلیت سے دوبدوئی...... جو کہ جہاد کے کچھ اہم ابواب ہیں

☆ انسانی رشتوں کا پاس، محروم، نادار، پسے ہوئے طبقے کی خیر خواہی اور اعلیٰ قدروں کی ترویج...... جو کہ مکارمِ اخلاق کے کچھ اہم مندرجات ہیں

- ایقاظ ایک منبر ہے اُس مبارک مشن میں تحریری شمولیت کیلئے جس کا مقصد آج کے اسلامی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں کو عقیدہ کے ایک اصیل متوازن منہج سے آراستہ اور ایک ٹھوس فکری اہلیت سے لیس کردینا ہے اور اہلسنت گروہوں سے وابستہ تحریکی وجہادی وسماجی عمل کو فکری وثقافتی پہلوؤں سے مضبوط کردینا

- ایقاظ ایک کاوش ہے جذبہ کو بصیرت میں مدغم کردینے اور عمل کو علم سے برآمد کرنے کا منہج سامنے لانے کی

- ایقاظ ایک صدا ہے یہاں کے علمی ودعوتی حلقوں میں اس فقہِ اختلاف اور فقہِ ائتلاف کو زندہ وبحال کرنے کی جو کہ اہلسنت کا ایک امتیازی خاصہ اور ان کی قوت کا تاریخی راز ہے، اور جس کے عام ہوجانے سے حق کی قوتیں اپنے آپس کے وہمی معرکے ختم کرکے ایک نئے سرے سے متحد وصف آرا ہوں گی اور اتحاد ویکجہتی کے وقتی وسطحی وغیر طبعی مظاہر سے نجات پائیں گی۔

336 D سبزہ زار، لاہور 0323-4031624

www.eeqaz.com

شجر سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ.. **حقیقتِ دین و عصر حاضر کے افکار و مسائل** پر

آ گہی بخش مجلّہ، مطبوعات وویب سائٹ ایقاظ کے تحریری مشن میں معاون بنیے